مقعد کا بند

وَعَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ اَبِیْ سُفْيَانَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّمَا الْعَيْنَانِ وِكَاءُ السَّهِ فَاِذَا نَامَتِ الْعَيْنُ اِسْتَطْلَقَ الْوِكَاءُ. [رواہ الدارمی]

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دونوں آنکھیں پیٹھ کا تسمہ ہیں جب آنکھیں سو جائیں تسمہ کھل جاتا ہے۔''

فائدہ : نیند بذات خود ناقض وضو نہیں بلکہ مظنہ نقض ہونے کی وجہ سے اسے ناقض وضو سمجھا گیا ہے اور اگر نیند کی کوئی ایسی حالت ہو جس میں وضو ٹوٹنے کا احتمال نہ ہو مثلاً بیٹھے بیٹھے سو جانا کہ ایسی صورت میں چوں کہ دُبر کے تسمے ڈھیلے نہیں ہوتے اس لیے اس نیند کو ناقض وضو نہیں سمجھا گیا ہے۔ بلکہ وہ نیند ناقض وضو ہے جس میں آدمی لیٹ کر سو جائے۔

دین کے بنیادی اصول ۴۲

اصول نمبر 43:...... وَمَنْ لَقِيَهٗ مِنْ كَافِرٍ عَذَّبَهٗ وَلَمْ يَغْفِرْ لَهٗ ۔

''جو کافر اللہ تعالیٰ کو ملے گا اللہ تعالیٰ اسے سزا دیں گے اور معاف نہ کریں گے۔''

شرح: اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کے انکار یا الوہیت میں شرک پر لفظِ کفر بولا جاتا ہے، بعض اوقات مکمل شریعت کے انکار یا دین کے ضروری، مشہور و معروف مسائل کے انکار پر بھی بولا جاتا ہے۔ مثلاً: آپ ﷺ کا فرمان ہے: ''بندے اور کفر کے درمیان نماز چھوڑنا ہے۔'' وغیرہ۔

کافر جب اپنے کفر...... شرک، رسالت یا قرآن پر اعتراض یا انکار، یا قیامت کے دن اٹھنے اور جمع ہونے کا انکار وغیرہ...... پر مرے گا تو اس کے متعلق یہی کہا جائے گا کہ یہ آگ اور آخرت کے عذاب میں ہی رہے گا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ مَاتُوْا وَ هُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا وَّ لَوِ افْتَدٰى بِهٖ ط اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ وَّ مَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴾ [آل عمران : ۹۱]

''یقیناً جن لوگوں نے کفر کیا اور وہ مر گئے اس حال میں کہ وہ کافر تھے، ان میں سے کسی سے اگر چہ وہ فدیہ کے طور پر زمین بھر کر سونا دے دیں قبول نہیں کیا جائے گا، انہی لوگوں کو دردناک عذاب ہوگا اور ان کی مدد نہیں کی جائے گی۔''

ان کی موت کے ساتھ یہ شرط ہے کہ وہ کفر پر مریں، یہ دلیل ہے کہ جو شخص ایمان کی حالت میں فوت ہوگا اس کی نافرمانیوں کو معاف کر دیا جائے گا، کیونکہ نبی ﷺ نے ابو طالب سے فرمایا تھا: ''آپ لا الٰہ الا اللہ کہہ دیں اس کلمہ سے میں آپ لیے اللہ تعالیٰ سے جھگڑا کروں گا۔'' [صحیح بخاری: ۳۸۸۴] اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ مَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ﴾ [سورہ محمد : ۳۴]

''یقیناً جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکا پھر وہ کفر کی حالت میں ہی مر گئے، تو اللہ تعالیٰ انہیں ہرگز معاف نہ فرمائے گا۔''

کیوں کہ وہ کفر پر فوت ہوئے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے کفر کے باوجود انہیں کیوں معاف فرمائے؟ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ وہ عموماً شرک کو معاف نہ کرے گا:

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ [سورہ النساء: ۴۸]

''اگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک کیا جائے تو وہ معاف نہیں کرے گا، اس کے علاوہ جسے چاہے معاف کر دے گا۔''

اس میں اللہ تعالیٰ نے شرک کو عام ذکر کیا خواہ چھوٹا ہو یا بڑا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ﴾ [سورہ المائدہ : ۷۲]

''جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرایا اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت حرام کر دی ہے اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔''

ممکن ہے یہ شرکِ اکبر کے بارے میں ہو، لیکن یہ سب آیات و احادیث دلیل ہیں کہ کفر اور شرک بہت بڑے بڑے گناہوں میں سے ہیں۔ واللہ اعلم

فہرست

ہم آہنگی

اداریہ ═══ حافظ احمد شاکر

سنجی گلیوں میں جب سے مرزا یار دندنانے لگا ہے تب سے اس نے دجالی لغت بھی ایجاد کرنی شروع کر دی ہے۔ چناں چہ ان صفحات میں اس لغت کا گاہے گاہے تذکرہ کیا جاتا رہا۔ لبرل، روشن خیال، خوش خیال، اعتدال پسند جیسے مثبت نما الفاظ جن کے معانی عموماً منفی مراد ہوتے ہیں۔ اسی طرح مسموم معانی سے بھرپور غیر معتدل جنگجو، انتہا پسند، عسکریت پسند، فنڈامینٹلسٹ جیسے شیریں الفاظ مسلمانوں کے لیے ایسی ایجاد ہے کہ مسلمان حکم ران اغیار کی اس زہر بھری شیرینی الفاظ سے گالیاں کھا کے بھی بے مزہ نہیں ہوتے۔ اس طرح ہم آہنگی جس کا معنی ہم خیالی یا اتفاق رائے ہوسکتا ہے، لیکن اس کا استعمال فروعات یعنی مسالک اور مسائل ہی میں ممکن ہوتا ہے لیکن طاغوت اس لفظ کو مذاہب کے ساتھ استعمال کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ مسلمان بین المذاہب ہم آہنگی کی تائید یا کوشش کریں۔ یعنی مسلمان عیسائیت، یہودیت، ہندومت اور اسلام کے سوا دیگر مذاہب سے ہم خیال یا ان سے متفق ہوجائیں حالانکہ مذاہب اور ادیان میں یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے۔ ان میں تو جس قدر ممکن ہو برداشت کرنا ہوتی ہے جس کا بنیادی اصول قرآنِ کریم نے مسلمانوں کو بتا دیا ہے کہ ''اور نہ تم گالی دو ان ......یعنی معبودانِ باطلہ ......کو جن کی وہ ......کافر ...... پرستش کرتے ہیں۔ کیوں کہ وہ پھر تمہارے معبود...... برحق......کو بغیر علم کے گالی دیں گے۔'' [الانعام: ۱۰۸] مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ معبودانِ باطلہ کو برا بھلا نہ کہیں۔ نیز اسلام نے مسلمان ممالک میں غیر مسلموں کے قیام کے اصول بھی واضح کر دیے ہیں اور غیر مسلم ممالک میں رہنے والے مسلمانوں کو بھی ان ممالک کے آداب وقوانین اور ان کے مذاہب سے احترام کا سبق دیا ہے۔

قرآنِ کریم نے مسلمانوں کو واضح الفاظ میں ایک سے زیادہ بار متنبہ بھی کیا اور تاریخ کی گواہی بھی یہی ہے کہ کوئی کافر کسی مسلماں کا دوست نہیں ہوسکتا لیکن ہمارے ملک کا حکمران طبقہ جو عموماً دین سے لاعلم اور ذاتی مفادات سے گندھا ہوتا ہے اس نے شروع دن ہی سے نہ صرف کافروں کو دوست جانا بلکہ احکامِ الٰہی سے صریحاً روگردانی کرتے ہوئے ان کو ہم راز بھی بنالیا۔ ہم یعنی عوام حکم رانوں کے کہے پر دشمنوں کو دوست جانتے رہے جب کہ حکم ران اور عوام ایک سے زیادہ مرتبہ ان دشمن نما دوستوں کے وعدوں پر بہلتے رہے۔ اور حکم ران صرف ذاتی مفادات کی خاطر اغیار کے ارشاد کی تعمیل میں لگے رہے۔ لیکن جب سے دنیا کی سنجی گلیوں میں اکیلا مرزا دھاڑنے لگا ہے تو اس نے خواہ مخواہ اسلام اور مسلمانوں کو اپنا حریف جان لیا......یعنی ڈکلیئر کر دیا...... ہے۔ تب سے اس نے مسلمانوں کے لیے اپنی دجالی لغت بھی بنانی شروع کر دی جس کی ہر اصطلاح ایک دوسرے سے بڑھ کر دجل آمیز ہے۔ ہم آہنگی بھی اس لغت کا ایک دلفریب لفظ ہے۔

امریکا یہ چاہتا ہے کہ پوری دنیا اس کے مقاصد، مفادات اور پالیسیوں سے ہم آہنگ ہو۔ جب کہ وہ خود دنیا کے کسی نظریے، کسی مذہب کے عقائد اور کسی ملک کے مفادات کا قطعاً خیال نہیں رکھتا۔ نیو ورلڈ آرڈر کے اجراء کے بعد تو اس نے مسلمانوں کو خصوصاً نشانے پر رکھا ہوا ہے۔ پاکستان کے مذہبی راہ نماؤں خصوصاً وہ راہ نما جو سیاست کا کھیل بھی کھیلتے ہیں، ان سے درخواست ہے کہ وہ اس بات کو مومنانہ ترنگ نہیں تو خطیبانہ آہنگ کے ساتھ امریکا پر واضح کر دیں کہ اسلام ہمیں دوسرے مذاہب کو برداشت کرنے، ان سے حسن سلوک یعنی مؤلفۃ القلوب ......دل جوئی......کا سبق تو دیتا ہے لیکن کسی دوسرے مذہب یعنی دین کے ساتھ ہم آہنگی! ممکن ہی نہیں۔ قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ''اللہ کے نزدیک دین اسلام

ہی ہے جو شخص اسلام کے سوا کوئی دوسرا دین چاہے گا اس کو قطعاً قبول نہیں کیا جائے گا۔'' [آلِ عمران : ۸۵]

ایک بات سمجھ نہیں آتی کہ مسلمانوں کو ہم آہنگی کا سبق دینے والا امریکا سیاست میں مسلمانوں سے ہم آہنگی کیوں نہیں کرتا، یا یوں کہہ لیں امریکہ عالمی سیاسی میدان میں مسلمانوں کو آزادی کے ساتھ پنپتا کیوں نہیں دیکھ سکتا! صدر ایوب کے دور میں صنعتی انقلاب سے جب پاکستان کی پوزیشن مستحکم ہونے لگی اور مرحوم ایوب خاں نے ملکی خودداری کا اظہار کیا تو اسے برداشت نہ ہوسکا۔ بھٹو مرحوم نے وطن عزیز کو جب ایٹمی قوت بنانے کا عزم اور اس پر عمل شروع کیا اور مرحوم بھٹو جب امریکا کی کسی ترغیب وترہیب یعنی خوف اور لالچ میں نہ آئے تو اس نے عبرت ناک انجام کی دھمکی دے دی۔ مرحوم ضیاء الحق نے جب تک اس کے دشمن روس کو روکے رکھا تو یہ دونوں ایک دوسرے کو بہلاتے اور بہکاتے رہے۔ لیکن جوں ہی روس شکست وریخت سے دوچار ہوا تو ضیاء مرحوم کو بھی نشانِ عبرت بنا دیا۔ اس کے بعد ''تربیت'' دھمکی اور لالچ کے باوجود جب میاں نواز شریف نے ایٹمی دھماکہ کر دیا تو اس کی حکومت کا تیا پانچا کر دیا۔ ہاں جب خلائی حکمران نے خود مقامات وسپردگی کرتے ہوئے اس کی لامتناہی خدمات انجام دینا یعنی وطن عزیز میں دخول وخروج کے ذریعے اس کو عملاً وائسرائے قبول کر لیا اور امریکا کی حسب خواہش بعض ہمارے لیڈروں حکمرانوں اور سیاست دانوں کو سوچنا چاہیے کہ امریکا کی حسب خواہش بعض مقامات واختیارات اس کے حوالے کر دیئے لیکن ڈھٹائی کی حد یہ ہے کہ مشرف کی غیر حاضری میں بھی اس کا نام جپنے والوں کو اس کی اشیر باد اب تک حاصل ہے۔ ہمارے لیڈروں، حکمرانوں اور سیاست دانوں کو سوچنا چاہیے کہ امریکا ہمارے ملک میں اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ ہم آہنگ کیوں نہیں ہو رہا؟ مشرف کی باقیات سیئات کی امریکا اب تک پشت پناہی اور نمو کر رہا ہے! ایران عراق جنگ، جنگ افغانستان، عراق کویت تصادم، سوڈان، یوگوسلاویہ، لبنان کے مذہبی فسادات اور اب نہتے افغانوں کے کشتوں کے پشتے لگانا اس کی مسلم دشمنی نہیں تو اور کیا ہے؟ وہ افغانستان میں رقص بسمل کا تماشا دیکھتا رہا، کرۂ ارضی کو خونِ مسلم سے رنگین کرتا رہا، اب پاکستان میں اپنے کارندوں کے ذریعے دھماکے، ٹارگٹ کلنگ، خودکش حملے اور مذہبی مقامات پر قتل وغارت کا بازار اس نے گرم کر رکھا ہے اور پھر بھی غیر معتدل، انتہا پسند، جنگجو اور دہشت گرد مسلمانوں کو قرار دے رہا ہے۔ اور جرأت شاطرانہ یہ کہ مسلمانوں کو بین المذاہب ہم آہنگی کا سبق بھی دے رہا ہے؟

خرد کا نام جنوں رکھ دیا اور جنوں کا خرد   جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

ہم آہنگی کی بات چل ہی نکلی ہے تو مسلمانوں کے مابین فقہی وفروعی مسائل میں ہم آہنگی کے لیے اہل علم وقلم واصحاب دانش وفراست کو میدان میں آ کر صلیبی جنگ کے اس پہلو کو کہ جس کا بنیادی اصول ''لڑاؤ اور حکومت کرو'' ہے، بایں معنی ناکام بنانا چاہیے کہ اہل سنت کے متفق علیہ مسائل کو اجاگر کرنے کا اہتمام کیا جائے، اور مختلف فیہ مسائل میں اپنے اپنے عوام کی راہ نمائی چار دیواری کے اندر تک محدود رکھنے کے لیے اپنے اپنے حلقوں میں بھرپور کوششیں کرنی چاہیے۔ ایسے ہی غیر اہل سنت اصحاب کو بھی اس کینوس میں شامل کر کے امت کے متفق علیہ اصحاب پر اتحاد واتفاق کی بنیاد رکھ کر دشمن کی سازش کو ناکام اور ماحول کی تلخی کو کم کرنا چاہیے۔ دنیا بھر کے مسلمانوں کو عموماً اور امریکا کے زیر عتاب مسلمان ممالک کے عوام کو خصوصاً چاہیے کہ وہ ایک سیسہ پلائی دیوار بن کر کفر کے سامنے ڈٹ جائیں۔ یاد رہے کہ کافر مسلمانوں کے ہر فرقے کو مسلمان ہی جان کر ان کے درپے ہیں۔ ان کے نزدیک شیعہ بھی مسلمان ہے اور اہل سنت والجماعت...... حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی، اہل حدیث...... کا ہر فرد مسلمان ہے وہ ہم کو باہم لڑا کر ہمیں کمزور کر کے ہم پر غلبے کے متمنی ہیں۔ ہمارے علماء کو چاہیے کہ وہ بنیادی عقائد پر...... حتی الامکان اختلاف ختم یا ممکن کر کے...... متفق علیہ مسائل پر اتحاد امت کی بنیاد رکھیں اور ہر فریق اپنی رائے کو محتمل الخطاء اور دوسرے کی رائے کو محتمل الصواب جانتے ہوئے اپنے سے مختلف رائے کو برداشت کر کے طاغوت کو بتا دیں کہ ہم آہنگی اس کا نام ہے۔

ہم آہنگی

درس قرآن

قسط نمبر ⑮

تفسیر سورۂ ق

مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ

﴿ وَنُفِخَ فِی الصُّوۡرِ ذٰلِكَ یَوۡمُ الۡوَعِیۡدِ ﴾ [ق : ۲۰]

''اور صور میں پھونکا جائے گا یہ ہے وعید کا دن۔''

﴿ الصُّوۡرِ ﴾ سے مراد ''قرن'' یعنی نرسنگھے یا بگل کی طرح کی کوئی چیز مراد ہے۔ جس میں حضرت اسرافیل علیہ السلام پھونک ماریں گے۔ قرآنِ مجید میں اس ''قرن'' کو ﴿ نَاقُوۡرِ ﴾ بھی کہا گیا ہے۔ چناں چہ سورۃ المدثر: ۸ میں ہے:

﴿ فَاِذَا نُقِرَ فِی النَّاقُوۡرِ ﴾ [المدثر : ۸]

''جب صور میں پھونک ماری جائے گی۔''

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک اعرابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر پوچھنے لگا ''صور'' کیا ہے؟ آپ نے فرمایا:

'' قَرْنٌ یُنْفَخُ فِیْهِ . '' [ابوداؤد، ترمذی وحسنه، رقم: ۲۴۳۰ وابن حبان]

''وہ قرن ہے جس میں پھونکا جائے گا۔''

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نعمتیں کیسی؟ صاحب صور نے قرن کو منہ سے لگا رکھا ہے اس نے اپنی پیشانی جھکا رکھی ہے اور اپنے کان پھونکنے کے حکم کے انتظار میں لگا رکھے ہیں کہ صور پھونکنے کا کب حکم ملتا ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یہ سن کر گھبرا گئے اور آپ سے عرض کیا کہ ہمیں کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا، تم یوں کہا کرو:

حَسْبُنَا اللّٰهُ نِعْمَ الْوَكِيْلُ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا .

[ترمذی وحسنه، رقم: ۲۴۳۱ ابن حبان وغیرہ]

علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے تذکرۃ میں فرمایا ہے کہ بعض گمراہوں نے ''صور'' کے ''قرن'' ہونے کا انکار کیا ہے اور ان کا یہ انکار اسی طرح ہے جیسے پل صراط اور وزنِ اعمال کا انکار کیا گیا اور اس کی مختلف تاویلیں کی ہیں۔ جس طرح میزان کے بارے میں ہے سا توں آسمان اور زمین اس کے پلڑے میں آ جاتے ہیں۔ اسی طرح ''قرن'' کے بارے میں ہے کہ اس کا دائرہ آسمانوں اور زمین کے برابر ہے۔

علامہ ابن العربی رحمہ اللہ اور حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ وغیرہ کی رائے ہے کہ یہ صور تین بار پھونکا جائے گا۔ پہلا نفحہ، نفحة الفزع ہے۔ چناں چہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَیَوۡمَ یُنۡفَخُ فِی الصُّوۡرِ فَفَزِعَ مَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنۡ فِی الۡاَرۡضِ اِلَّا مَنۡ شَآءَ اللّٰهُ ﴾ [النمل : ۸۷]

''اور جس روز صور میں پھونکا جائے گا تو سب ڈر جائیں گے جو آسمانوں اور زمین میں ہیں سوائے ان کے جنہیں اللہ تعالیٰ اس خوف و ڈر سے بچا لے۔''

اس پہلی بار صور پھونکنے کے نتیجہ میں سب پر سراسیمگی اور خوف طاری ہو جائے گا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اس وقت زمین کی حالت اس کشتی کی مانند ہوگی جو دریا کے تلاطم سے ڈگمگا رہی ہو، یا اس معلق قندیل کی طرح ہوگی جسے تیز ہوا بری طرح جھنجھوڑ رہی ہو۔

[ابن ابی حاتم، طبری، طبرانی]

اس کے بعد دو نفخے ہیں۔ ایک کو نفخۂ صاعقہ اور دوسرے کو نفخۂ قیام کہا گیا ہے۔ [ابن کثیر، ص: ۵۰۲، ج: ۴ النہایہ جلد اوّل]

علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے بھی البدور السافرۃ (ج:۵،ص:۳) میں تین

نفخوں کا ہی ذکر کیا ہے۔ چناں چہ قرآنِ مجید میں ہے:

﴿ وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ثُمَّ نُفِخَ فِيهِ أُخْرٰى فَإِذَا هُمْ قِيَامٌ يَنْظُرُوْنَ ﴾ [الزمر: ٦٨]

''اور صور پھونکا جائے گا تو سب مرجائیں گے جو آسمانوں اور زمین میں ہیں سوائے ان کے جنہیں اللہ زندہ رکھنا چاہے، پھر دوسری بار صور پھونکا جائے گا تو وہ سب اٹھ کر دیکھنے لگیں گے۔''

اس آیت میں ﴿ ثُمَّ نُفِخَ ﴾ سے تیسرا نفخہ مراد ہے، جس کا ذکر علیحدہ طور پر بھی قرآنِ مجید میں آیا ہے:

﴿ وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَإِذَا هُمْ مِنَ الْأَجْدَاثِ إِلٰى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ ٥ قَالُوْا يٰوَيْلَنَا مَنْ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ ٥ إِنْ كَانَتْ إِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَإِذَا هُمْ جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ ٥ ﴾

[يٰس: ٥١، ٥٣]

''اور پھونکا جائے گا صور میں تو یہ سب اپنے ربّ کے حضور پیش ہونے کے لیے قبروں سے نکل پڑیں گے۔ گھبرا کے کہیں گے ہائے افسوس! کس نے ہمیں ہماری قبروں سے اٹھایا ہے۔ یہ وہی ہے جس کا رحمان نے وعدہ کیا تھا اور رسولوں کی بات سچی تھی۔ ایک ہی زور کی آواز ہوگی اور سب ہمارے سامنے حاضر کردیے جائیں گے۔''

مگر امام قرطبی رحمہ اللہ نے التذکرہ (ص: ٢٢٦، ٢٣٨) میں صرف دو نفخوں کا ذکر کیا ہے۔ اور فرمایا ہے کہ نفخۃ الفزع ہی نفخۃ الصاعقہ ہے۔ انہوں نے اس پر صحیح مسلم (ج:٢،ص: ٤٠٣) اور مسند امام احمد (ج:٢،ص:١٦٦) میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کی حدیث سے استدلال کیا ہے، جس میں ذکر ہے کہ

ثُمَّ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَلَا يَسْمَعُهُ أَحَدٌ إِلَّا أَصْغٰى لِيْتًا وَرَفَعَ لِيْتًا قَالَ وَأَوَّلُ مَنْ يَّسْمَعُهُ رَجُلٌ يَلُوْطُ حَوْضَ إِبِلِهِ فَيَصْعَقُ وَيَصْعَقُ النَّاسُ ثُمَّ يُرْسِلُ اللّٰهُ مَطَرًا كَأَنَّهُ الطَّلُّ فَيَنْبُتُ مِنْهُ أَجْسَادُ النَّاسِ ثُمَّ يُنْفَخُ فِيهِ أُخْرٰى فَإِذَا هُمْ قِيَامٌ يَنْظُرُوْنَ .

''پھر صور میں پھونکا جائے گا جو بھی اس کی آواز سنے گا وہ اپنی گردن ایک طرف جھکا دے گا اور دوسری طرف بلند کرے گا۔ اور سب سے پہلے یہ آواز وہ آدمی سنے گا جو اپنے اونٹوں کا حوض لیپتا ہوگا۔ وہ اور دوسرے تمام لوگ مرجائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ بارش برسائے گا جیسے کہ وہ شبنم ہے جس سے لوگوں کے جسموں میں نمو آئے گی پھر دوسری بار صور پھونکا جائے گا تو سب کھڑے ہو جائیں گے۔''

ظاہر ہے کہ اگر اس سے پہلے بھی کوئی نفخہ ہوتا تو پہلی بار نفخہ سننے کا ذکر اس روایت میں نہ ہوتا، بلکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے صحیح بخاری و مسلم میں ہے کہ مَا بَيْنَ النَّفْخَتَيْنِ أَرْبَعُوْنَ ''کہ دو نفخوں کے مابین چالیس کا وقفہ ہوگا۔'' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ چالیس دن یا چالیس سال مراد ہیں؟ انہوں نے فرمایا یہ میں نہیں جانتا، گویا میں نے بس چالیس کا لفظ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ اس سے بھی بظاہر دو نفخوں ہی کی تائید ہوتی ہے۔ واللہ اعلم

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے دونوں نفخوں کے درمیان چالیس سال کا وقفہ ہوگا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں تین نفخوں کا ذکر ہے۔ جسے ابوالشیخ نے العظمۃ (ج:٣،ص:٨٢٢) میں مطولاً روایت کیا ہے۔ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے النہایۃ (ج:١،ص:٢٢٤) اور علامہ القرطبی رحمہ اللہ نے التذکرۃ (ص:٢٣٦) میں بھی اسے ذکر کیا ہے۔

شیخ رضاء اللہ مبارک پوری رحمہ اللہ نے کتاب العظمہ کی تخریج میں اس پر بڑی نفیس بحث کی ہے اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اور علامہ البانی رحمہ اللہ سے اس کی تضعیف بیان کی ہے، اس لیے تین نفخوں کے ثبوت میں یہ روایت ہی صحیح نہیں ہے۔ علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے بھی اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔ علامہ ابن حزم رحمہ اللہ نے تو کہا ہے کہ چار نفخے ہوں گے مگر یہ بھی صحیح نہیں۔ فتح الباری (ج:١١،ص:٣٩٨)۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ اور دیگر روایات کی بنا پر فرمایا ہے کہ دو ہی نفخے ہیں۔

[فتح الباری، ج: ١١، ص: ٣٧٠، ج: ٦، ص: ٤٦٤]

﴿یَوْمُ الْوَعِیْدِ﴾ وعید، "وَعَدَ" سے ہے جو خیر وشر دونوں کے لیے قرآنِ مجید میں مستعمل ہے، مگر ﴿اَلْوَعِیْدِ﴾ کا لفظ خاص طور پر شر، دھمکی اور تہدید کے لیے بولا جاتا ہے۔ یہاں ان آیات میں اوّلیں مقصود کفار ہیں۔ اسی لیے یہاں لفظ ﴿اَلْوَعِیْدِ﴾ یعنی عذاب کا دن، کفار اور نافرمانوں کے لیے آیا ہے اور یہ قیامت کے دن کا نام ہے۔ قرآنِ مجید میں قیامت کے مختلف احوال کی بنا پر مختلف نام آئے ہیں:

١۔القیامة: نام اس مناسبت سے ہے کہ اس روز لوگ پروردگارِ عالم کے روبرو کھڑے ہوں گے، چناں چہ ارشاد ہے:

﴿یَوْمَ یَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ [المطففین: ٦]

قیامت کا نام قرآنِ مجید میں (٧٠) بار آیا ہے۔

٢۔الساعة: گھڑی، وقت جیسا کہ فرمایا:

﴿اِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِیَةٌ لَّا رَیْبَ فِیْهَا﴾ [المؤمن: ٥٩]

"بے شک وہ وقت ضرور آنے والا ہے۔"

یہ لفظ قرآنِ مجید میں اڑتالیس (٤٨) مرتبہ آیا ہے اور قیامت کے معنی میں چالیس (٤٠) مرتبہ استعمال ہوا ہے۔

٣۔یوم الدین: لوگوں کو اس دن پورا پورا انصاف ملے گا۔ جیسے فرمایا: ﴿مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ﴾ [الفاتحه: ٤]

"مالک ہے انصاف کے دن کا۔"

٤۔التلاق: ملنے کا دن۔ نیک نیک سے اور بد بد سے ملے گا، جہنمی جہنم اور عذاب کے ملائکہ سے، جب کہ جنتی جنت اور حور وغلمان سے بندے اپنے پروردگار سے ملیں گے۔

﴿یُلْقِی الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ لِیُنْذِرَ یَوْمَ التَّلَاقِ﴾ [المومن: ١٥]

"اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنے حکم سے وحی اتارتا ہے، تاکہ ملاقات کے دن سے ڈرائے۔"

٥۔یوم البعث: کہ اس روز لوگوں کو قبروں سے اٹھا کر محشر کی طرف لے جایا جائے گا:

﴿لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ اِلٰی یَوْمِ الْبَعْثِ فَهٰذَا یَوْمُ الْبَعْثِ﴾ [الروم: ٥٦]

"بلاشبہ یقیناً تم اللہ کی کتاب میں اٹھائے جانے کے دن تک ٹھہرے رہے۔ سو یہ اٹھائے جانے کا دن ہے۔"

٦۔الحسرة: کہ وہ دن کافروں کے لیے حسرت وغم کا دن ہوگا، دنیا میں نیک عمل نہ کرنے کا غم، فرمایا:

﴿وَ اَنْذِرْهُمْ یَوْمَ الْحَسْرَةِ﴾ [مریم: ٣٩]

"انہیں حسرت کے دن سے ڈراؤ۔"

٧۔یوم الحساب: دنیا کے نیک وبد اعمال کے حساب کا دن:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌۢ بِمَا نَسُوْا یَوْمَ الْحِسَابِ﴾ [ص: ٢٦]

"یقیناً وہ لوگ جو اللہ کی راہ سے بھٹک جاتے ہیں، ان کے لیے سخت عذاب ہے۔ اس لیے کہ وہ حساب کے دن کو بھول گئے۔"

٨۔یوم الفصل: فیصلے کا یا جدائی کا دن۔ حق وباطل کا، کافر ومومن کا فیصلہ، ہر جماعت اپنے اعمال کے اعتبار سے جدا ہوگی۔ اور کافر ومومن کو جدا جدا کیا جائے گا۔

﴿هٰذَا یَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِیْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ﴾

[الصافات: ٢١]

"یہ ہے فیصلے کا دن جسے تم جھٹلاتے تھے۔"

٩۔یوم التناد: ندا دینے، پکارنے کا دن۔ فرشتے کے صور پھونکنے کی آواز اور یہ آواز کہ فلاں فلاں حساب کے لیے حاضر ہو۔

﴿یٰقَوْمِ اِنِّیْ اَخَافُ عَلَیْكُمْ یَوْمَ التَّنَادِ﴾ [المؤمن: ٣٢]

"اے میری قوم میں تمہارے بارے میں تناد کے دن سے خوف کھاتا ہوں۔"

١٠۔یوم الجمع: تمام مخلوق کے جمع ہونے کا دن۔

﴿لِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰی وَمَنْ حَوْلَهَا وَتُنْذِرَ یَوْمَ الْجَمْعِ لَا رَیْبَ فِیْهِ﴾ [الشوریٰ: ٧]

"تاکہ تو بستیوں کے مرکز (مکہ والوں) کو ڈرائے اور لوگوں کو

بھی جو اس کے اردگرد ہیں اور تو اکٹھا کرنے کے دن سے ڈرائے جس میں کوئی شک نہیں۔''

۱۱۔یوم التغابن: ہار جیت کا دن۔

﴿ یَوْمَ یَجْمَعُكُمْ لِیَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِكَ یَوْمُ التَّغَابُنِ ﴾ [التغابن: ۹]

''جس دن وہ تمہیں جمع کرنے کے دن کے لیے جمع کرے گا۔ یہ ہار جیت کا دن ہے۔''

۱۲۔یوم الوعید: عذاب کا دن، جس کا ذکر اسی سورۂ ق (۲۰) میں ہوا ہے۔

۱۳۔یوم الخروج: قبروں سے نکلنے کا دن۔ جس کا ذکر اسی سورہ ق (۴۲) میں ہوا ہے۔

۱۴۔الواقعة: سختی کا دن واقعہ ہونے والا ہے۔

﴿ اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ o لَیْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ o ﴾

''جب سختی کا دن واقع ہونے والا واقع ہوجائے گا اس کے واقع ہونے میں کوئی جھوٹ نہیں۔''[الواقعة: ۱،۲]

۱۵۔الحاقة: اس لیے کہ اس میں جزائے اعمال سچ سچ واقع ہوگی۔

﴿ اَلْحَاقَّةُ o مَا الْحَاقَّةُ o وَمَا اَدْرٰكَ مَا الْحَاقَّةُ o ﴾ [الحاقة: ۱۔۳]

''سچ مچ واقع ہونے والی، وہ سچ سچ واقع ہونے والی کیا ہے، اور آپ کیا جانیں کہ وہ سچ مچ ہونے والی کیا ہے۔''

۱۶۔الصاخة: آواز کی سختی اور کرخت پن جو بہرہ کردے، یہ صور اور جہنم کی آواز کی طرف اشارہ ہے۔

﴿ فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ o ﴾ [عبس: ۳۳]

''پس جب سخت آواز آئے گی۔''

اسی سے اَصَاخَ یُصِیْخُ ہے جس کے معنی ہیں آواز کی سختی جو بہرہ کردینے والی ہو۔[مفردات]

۱۷۔القارعة: کھڑکھڑانے والی، ''قرع'' کے معنی ہیں ایک چیز کو دوسری چیز سے مارنا اور کھٹکھٹانا۔ آفت اور ہولناک حادثہ پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے:

﴿ اَلْقَارِعَةُ o مَا الْقَارِعَةُ o وَمَا اَدْرٰكَ مَا الْقَارِعَةُ o ﴾

''کھڑکھڑانے والی، کیا ہے وہ کھڑکھڑانے والی، اور آپ کیا جانیں کہ کھڑکھڑانے والی کیا ہے۔''[القارعة: ۱۔۳]

۱۸۔الطامة الکبریٰ: طم علی کذا، کے معنی ہیں ایسی بڑی آفت جو چھا جائے اور ڈھانپ لے۔ قیامت کو طامہ اس لیے کہا گیا کہ اس کی مصیبت سب پر چھا جائے گی۔ اس کے ساتھ الکبریٰ لاکر مزید اس آفت کی شدت کی طرف اشارہ ہے۔

﴿ فَاِذَا جَاءَتِ الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰی ﴾ [النازعات: ۳۴]

''پھر جب بڑی آفت آئے گی۔''

۱۹۔یوم الآزفة: قریب کا دن، قیامت کا دن گویا قریب ہے دور نہیں۔

﴿ وَاَنْذِرْهُمْ یَوْمَ الْاٰزِفَةِ ﴾ [المؤمن: ۱۸]

''ان کو قریب آنے والے دن سے ڈراؤ۔''

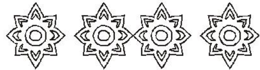
۲۰۔الغاشیة: ڈھانپنے والی، چھا جانے والی مصیبت کو کہتے ہیں۔

﴿ هَلْ اَتٰكَ حَدِیْثُ الْغَاشِیَةِ o ﴾ [الغاشیة: ۱]

''بھلا تم کو ڈھانپ لینے والی یعنی قیامت کا حال معلوم ہے۔''

ان کے علاوہ بھی قرآنِ مجید میں قیامت کے نام آئے ہیں اور کچھ نام وہ ہیں جو معانی و مفہوم کے اشتقاق کی بنیاد پر ہیں۔ علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے البدور السافرة فی الامور الآخرة (ص:۴۲) میں فرمایا ہے کہ قیامت کے تقریباً سو نام ہیں۔ انہوں نے ۷۷ نام ذکر کیے ہیں۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے النہایہ (ج:۱، ص:۲۰۰،۲۰۱) میں حافظ عبدالحق الاشبیلی رحمہ اللہ کی کتاب العاقبة کے حوالے سے (۸۵) نام ذکر کیے ہیں۔ اہل عرب کے ہاں نام کی کثرت مسمی کی عظمت کی دلیل ہوتی ہے۔ اس اعتبار سے بھی قیامت کی عظمت واضح ہوتی ہے۔ ان کے نزدیک تلوار کی اہمیت کی بنا پر ہی اس کے سات سو نام ہیں۔



درسِ حدیث

توفیق الباری

"الادب المفرد" للبخاری کا اردو ترجمہ مع تشریحات وفوائد

از حضرت نواب سید صدیق حسن خان صاحب رحمہ اللہ

تسہیل: حافظ محمد اشرف سعید (نیوکرول شالامار باغ۔لاہور)

باب: قول الرجل: فلان جعد أسود أو طويل قصير؛ يريد الصفة ولا يريد الغيبة

اگر کسی کو بارادہ صفت نہ بارادہ غیبت۔ اس کا قد لمبا ہے یا کوتاہ قد ہے یا بالوں کی کیفیت یا اس کے رنگ کی بات کرنا

۷۷۵. عن أبی رُهْم ـ وكانَ من أصحابِ رسولِ اللّٰهِ ﷺ الّذين بَايَعُوهُ تحتَ الشّجرةِ ـ يقولُ: غَزَوْتُ معَ رسولِ اللّٰهِ ﷺ غزوةَ تَبُوْكٍ، فقمتُ ليلةً بالأَخْضَرِ [هو جبل] فصرتُ قريباً منه، فأُلْقِيَ علينا النُّعَاسُ فطفقتُ أستيقظُ وقدْ دَنَتْ رَاحِلَتی من راحلتِهِ فَيُفزِعُنِی دنُوّها خشيةَ أن تصيبَ رجلَهُ فی الغَرْزِ، فطفقتُ أُؤَخِّرُ رَاحِلَتی حتّی غلبتنی عينی بعضَ اللّيلِ، فزاحمتْ راحلتِی راحلةَ رسولِ اللّٰه ﷺ ورجلُهُ فی الغَرْزِ، فأصبتُ رجلَهُ فلمْ أستيقظْ إلّا بقولِهِ: ((حس)) فقلتُ: يا رسولَ اللّٰه، استغفِرْلی فقالَ رسولُ اللّٰه ﷺ: ((سِرْ)) فطَفِقَ رسولُ اللّٰهِ ﷺ يسألُنِی عَنْ مَنْ تخلَّفَ من بنی غِفَار، فقالَ وهو يسألُنِی، فقالَ: ((ما فَعَلَ النَّفَرُ الحُمْرُ الطِّوَال الثّطاط؟)) قال فحدثتُهُ بتخلّفِهِمْ، قالَ: ((فما فَعَلَ السُّودُ الجِعَادُ القِصَار الّذِينَ لهم نَعَمٌ بشبكَةِ شَدَخ؟)) فتذكرتُهم فی بنی غِفار، فلم أذكرْهُم حتّی ذكرتُ أنّهم رَهْطٌ من أَسْلَم، فقلتُ: يا رسولَ اللّٰه أولٰئكَ من أسلم، قال: ((فما يمنعُ أحَدَ أولٰئكَ حينَ يتخلَّفُ أن يحمِلَ علی بعيرٍ من إبلِهِ امْرَءاً نَشِيطًا فی سبيلِ اللّٰهِ؟ فإنّ أعزَّ أَهْلی علَیَّ أن يتخلَّفَ عن المهاجرين من قُرَيش والأنصار غِفارٌ وأَسْلَمُ.))[ضعيف الإسناد]

''حضرت ابورہم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جو کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں سے ہیں اور جنہوں نے حدیبیہ میں درخت کے نیچے بیعت کی تھی وہ بیان کرتے ہیں میں غزوۂ تبوک میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شریک تھا۔ ایک رات اخضر کے مقام پر میں رسول اللہ ﷺ کے قریب کھڑا ہوگیا مجھ کو اونگھ آنے لگی میں جاگنے کی کوشش کرنے لگا۔ میری سواری آپ ﷺ کی سواری کے قریب چلی جا رہی تھی میں اس سے فکرمند تھا کہ آپ سے کہیں اس طرح قریب نہ ہو جاؤں کہ آپ ﷺ کا قدم مبارک جو کہ رکاب میں ہے اس سے کہیں میری سواری کا کوئی حصہ نہ لگ جائے۔ میں برابر اپنی سواری کو پیچھے کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ یہاں تک کہ رات کے بعض حصے میں مجھ پر نیند نے غلبہ پالیا۔ میری سواری رسول اللہ ﷺ کی سواری سے ٹکرا گئی آپ کا قدم مبارک رکاب میں تھا۔ آپ کے قدم مبارک کے ساتھ میرا پاؤں لگ گیا۔ میری آنکھ نیند سے اس وقت کھلی جب میں نے آپ کی زبان سے لفظ حس سنا (تکلیف پہنچنے کے وقت اہل عرب یہ کلمہ بولتے ہیں جسے ہمارے ہاں اہ یا اوہ کی آواز منہ سے نکل جاتی ہے۔) میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میرے لیے مغفرت کی دعا کریں۔ آپ نے فرمایا چلے چلو۔ پھر آپ ﷺ مجھ سے پوچھنے لگے بنی

غفار کے کون کون لوگ پیچھے رہ گئے ہیں؟ آپ نے پوچھا وہ سرخ رنگ والے دراز قد جن کے چہروں پر داڑھیاں ہیں۔ بس ٹھوڑی کے نیچے تھوڑے سے بال ہوتے ہیں میں نے ان کے متعلق بتایا وہ پیچھے رہ گئے ہیں وہ نہیں آئے۔ آپ ﷺ نے پھر فرمایا وہ لوگ کالے رنگ والے پستہ قد گھونگریالے بالوں والے جن کے جانور مقام شبکہ شوخ میں ہوتے ہیں وہ کہاں ہیں۔ میں نے خیال کیا شاید یہ بنی غفار کے لوگ ہیں۔ میں نے آپ کے سامنے ان کا ذکر نہیں کیا۔ مجھے یاد آیا کہ یہ لوگ تو بنی اسلم کے ہیں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ وہ لوگ تو بنی اسلم کے ہیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ان لوگوں کو کس چیز نے روکا ہے کہ وہ اپنے کسی چست، چاک و چوبند آدمی کو اپنے اونٹ پر سوار کر کے جہاد پر بھیج دیتے۔ مجھے یہ چیز سخت ناگوار گزرتی ہے کہ مہاجرین قریش انصار وغفار واسلم میں سے کوئی جہاد سے پیچھے رہ جائے۔''

٧٧٦ . عن عائشةَ رضي اللّٰه عنها ، قالتْ: استأذَنَ رجلٌ على النَّبِيِّ ﷺ فقالَ: ((بِئْسَ أَخُو العَشِيْرَةِ)) فلمَّا دَخَلَ انبسط إليهِ ، فقلت له ، فقال: ((إنَّ اللّٰه لا يُحِبُّ الفاحِشَ المُتَفَحِّشَ .))

''حضرت عائشہ صدیقہ ؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے آپ کے پاس آنے کی اجازت مانگی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ شخص قبیلے کا برا آدمی ہے جب وہ آیا تو آپ کشادہ پیشانی کے ساتھ اس سے ملے۔ میں نے اس بارہ میں آپ سے عرض کیا یہ کیا معاملہ ہے؟ آپ نے پہلے اسے برا کہا پھر اس سے خندہ روئی کے ساتھ پیش آئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ فحش کو اور فحش کی جستجو کرنے والے کو پسند نہیں فرماتا۔'' [صحيح]

٧٧٧ . عن عائشةَ رضي اللّٰه عنها قالتْ: استأذنتْ رسولَ اللّٰه ﷺ سودةُ ليلةَ جَمْعٍ - وكانتِ امْرَأَةً ثقيلة ثَبِطَةً - فأذِنَ لها . [صحيح]

''حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے حضرت سودہ ؓ نے مزدلفہ کی رات کو منیٰ جانے کی اجازت مانگی وہ ایک بھاری جسم والی آہستہ چلنے والی عورت تھیں۔ آپ نے ان کو جانے کی اجازت دے دی۔''

فائدہ: مطابقت ان احادیث کی ترجمہ باب سے ظاہر ہے کہ بفرض صفات الفاظ مذکورہ کہے گئے اگر صفت مراد نہ ہوتی تو ذکر ان الفاظ کا غیبت ٹھہرتا۔ (نواب صاحب)

حاصل یہ ہے اگر غیبت مقصود نہ ہو تو کسی کا تعارف کراتے وقت اس کے قد یا رنگ کے بارے میں کچھ کہہ دینا جائز ہے۔

باب: من لم ير بحكاية الخبر بأساً

گزشتہ واقعہ کو بیان کرنا

٧٧٨ . عن ابن مسعود قال: لمّا قسَمَ رسولُ اللّٰه ﷺ غنائِمَ حُنَيْن بالجعِرَّانةِ ، ازْدَحَمُوا عليهِ ، فقالَ رسولُ اللّٰه ﷺ: ((إنّ عَبْدًا مِنْ عِبَادِ اللّٰهِ بعثَهُ اللّٰهُ إلى قَوْمٍ فَكَذَّبُوهُ وَشَجُّوهُ ، فكانَ يمسحُ الدَّمَ عن جبهتِهِ ، ويقولُ: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لقومي فإنَّهُمْ لا يَعْلَمُون)) قالَ عبدُ اللّٰهِ بنُ مسعود: فكأنِّي أنظرُ إلى رسولِ اللّٰهِ ﷺ يحكِي الرَّجُلَ يمسحُ عن جبهتِهِ .)) [حسن]

''حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے جعرانہ کے مقام پر غزوہ حنین کا مال غنیمت تقسیم فرمایا تو لوگوں نے آپ کے گرد ہجوم کر دیا اس پر رسول اللہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں سے ایک بندے کو ایک قوم کی طرف بھیجا تو لوگوں نے اس کی تکذیب کی اور اسے زخمی کر دیا۔ چناں چہ وہ اپنی پیشانی سے خون پونچھتے جاتے تھے اور یہ دعا کرتے تھے اے اللہ! میری قوم کو بخش دے یہ لوگ نہیں جانتے حضرت عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں گویا میں رسول اللہ کو دیکھ رہا ہوں۔ آپ ایک ایسے شخص کی حکایت بیان کر رہے ہیں اور اپنی پیشانی سے خون پونچھ رہے ہیں۔''

فائدہ: بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ حکایت خود اپنے حال کی بصیغہ غائب تھی اور بعض نے کہا کسی اور پیغمبر کی تھی۔ واللہ اعلم

تحقیق وتنقید

قسط نمبر ۳ آخری

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر کے بارے میں تحقیقی مقالہ

از: مولانا فضل الرحمٰن بن محمد

شق ۱۴ میں شاید بریگیڈیئر صاحب نے ۱۵ اور ۱۶ کو بھی شامل کرلیا ہے۔ کیوں کہ اگلی شق کا نمبر ۱۷ ہے۔ اس میں پہلا اشکال یہ ہے کہ تابعین کے دور میں عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر کے بارے میں کوئی روایت منظر عام پر نہ آئی۔ ہشام بن عروۃ کا شاگرد علی بن مسہر اپنے استاد کے حوالے سے متعدد روایات ۱۸۵ھ میں منظر عام پر لے آیا۔

دوسرا اشکال: عائشہ رضی اللہ عنہا کا اپنے بھانجے عروۃ سے اپنی خانگی اور قطعی ذاتی زندگی کے واقعات بیان کرنا لغو اور نا قابل قبول ہے۔

تیسرا اشکال یہ ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں روایات بیان کرنے والا صرف ایک راوی ہشام بن عروۃ تھا۔ اس کے عراق پہنچتے ہی گیارہ راوی پیدا ہوگئے۔ عجوبہ بھی یہ ہے کہ یہ روایت صحاح ستہ میں جگہ پاکر پوری امت میں پھیل گئی۔

چوتھا اشکال: ہشام بن عروہ اوّل اوّل بہت معتبر راوی سمجھا جاتا تھا۔ ۷۱ برس مدینہ میں رہا۔ وہاں اس نے اپنی کوئی متنازعہ حدیث بیان نہ کی۔ امام مالک بھی اس سے حدیث کا درس لیتے تھے۔ پھر قرض خواہوں سے بھاگ کر کوفہ چلا گیا۔ جہاں اس نے ۱۴۶ھ میں ۸۶ سال کی عمر میں وفات پائی۔

خطیب بغدادی نے امام مالک کے حوالے سے لکھا ہے۔ ہشام بن عروہ ایک دروغ گو انسان تھا۔ اہل مدینہ بھی اس سے مروی احادیث میں اغلاط کی نشاندہی کرنے لگے۔

بریگیڈیئر صاحب نے یہ وضاحت بھی کردی۔ عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق متعدد احادیث کا براہ راست راوی ہشام بن عروہ نہیں بلکہ علی بن مسہر ہے۔ جس نے ۳۰ سال بعد اپنے استاد سے کے حوالے سے یہ احادیث روایت کی ہیں۔ لیکن اس کے علاوہ کسی ایک محدث نے ان احادیث کی تصدیق نہیں کی۔ ہشام بن عروۃ کا اپنا قول ہے۔ جب تم سے کوئی عراقی ایک ہزار حدیث بیان کرے تو نوسو نوے کو زمین پر دے مارو۔ باقی دس میں بھی شک کرتے رہو۔ مذکورہ احادیث کا ماخذ ہی عراق ہے۔ لہٰذا یہ کیسے معتبر ہوسکتی ہے؟

شق ۱۸ میں کھل کر حضرت ہشام بن عروۃ پر کیچڑ اچھالا گیا ہے اور زبردست بہتان بازی کا مظاہرہ کیا گیا ہے۔ امام الذہبی کی طرف وہ منسوب کردیا گیا ہے جو انہوں نے ہرگز نہیں کہا اور نہ ہی لکھا ہے۔

فضول الزامات:

شق چودہ اور سترہ اگرچہ الزامات وتضادات کا مجموعہ ہیں۔ مگر ان کا لب لباب یہ بنتا ہے کہ عائشہ کی کم سنی میں شادی والی روایات کو عام کرنے والا ہشام بن عروۃ کا شاگرد علی بن مسہر تھا۔ حالاں کہ ۱۹۵ھ سے پہلے ان کا ذکر تابعین کے زمانے میں نہیں ملتا۔ نہ ہی کسی محدث نے اس سے مروی احادیث کی تصدیق ہے۔

چوں کہ بریگیڈیئر صاحب کی تحقیق کا ماخذ ظفر علی قریشی کی کتاب ''امہات المومنین اور مستشرقین'' ہے۔ لہٰذا انہوں نے زیادہ تر وہی نقل کردیا ہے جو اس میں منقول ہے۔

علی بن مسہر کو عراقی کہہ کر جس طرح ان کا مذاق اڑایا گیا ہے۔ ان کے بارے میں حافظ ابن حجر عسقلانی نے اپنی کتاب تہذیب التہذیب ج: ۷، ص: ۳۸۳، ۳۸۴ میں لکھا ہے۔ وہ الحافظ موصل کے قاضی تھے۔ انہوں نے نامور محدثین کو سنا۔ ابوزرعۃ نے ان کو صدوق وثقہ کہا۔ العجلی کا بیان ہے۔ وہ ان میں سے تھے جنہوں نے حدیث وفقہ کو جمع کیا۔ نسائی نے بھی ان کو ثقہ کہا۔ ابن جہان نے ان کا ذکر ثقہ راویوں میں کیا۔ ان کی وفات ۱۸۹ھ میں ہوئی۔

صحیح بخاری کتاب النکاح میں ہشام سے تین ایسی روایات بھی مروی ہیں جن میں علی بن مسہر راوی کا نام نہیں ہے۔ ایسے ہی صحیح مسلم کتاب النکاح میں چار روایات میں بھی علی بن مسہر موجود نہیں۔ ابن ماجہ کتاب النکاح کی ایک روایت میں علی بن مسہر کا نام ہے لیکن دوسری روایت میں اس کا ذکر ہی نہیں۔ ترمذی اور نسائی کی روایات میں بھی علی بن مسہر کی بجائے اور راوی ہیں۔ طبقات ابن سعد ج:۸ میں عائشہ ؓ کی شادی کے بارے میں ہشام کی پانچ روایات میں بھی علی بن مسہر کا نام نہیں ہے۔

بریگیڈیئر صاحب اور ان کے استاد کا کہنا ہے کہ کسی اور محدث نے اس کی تصدیق نہیں کی۔ اگر عربی زبان سے ان کو واقفیت ہوتی تو وہ دیکھ لیتے کہ عائشہ ؓ سے روایت کرنے والے اور بھی محدث ہیں۔ سنن النسائی، ج:۲، حدیث رقم: ۳۲۶۰ ابوعبیدہ (المتوفی ۸۳ھ) اور الاسود (المتوفی ۷۴ھ) نے الگ الگ عائشہ ؓ سے کم سنی والی روایت نقل کی ہے۔ دو محدث تو امام نسائی نے مہیا کر دیئے۔

طبقات ابن سعد، ج:۸، ترجمہ عائشہ، ص: ۵۸ میں مذکورہ راویوں کے علاوہ عمرۃ بنت عبدالرحمٰن بن سعد بن زرارہ (المتوفی ۱۰۳ھ) بھی عائشہ ؓ سے وہی روایت کرتی ہیں جو دوسروں نے کی۔ ص ۶۱ میں امام الزہری سے مروی ہے۔ رسول اللہ کا نکاح عائشہ ؓ سے چھ سال کی عمر میں اور خلوت نو سال کی عمر میں ہوئی۔ جب آپ فوت ہوئے تو ان کی عمر ۱۸ سال تھی۔ امام الزہری نے ۱۲۴ھ میں وفات پائی۔

بریگیڈیئر صاحب نے یہ تسلیم کیا ہے کہ کم سنی میں عائشہ ؓ کی شادی والی حدیث صحاح ستہ میں جگہ پا کر پوری امت میں پھیل گئی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ حدیث ہر شک وشبہ سے بالا ہے اور اس میں کسی اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں۔

محدثین کے علاوہ مؤرخین نے بھی اپنی تواریخ میں اس کو نقل کیا ہے۔ اب سوچنے والی بات یہ ہے کہ ان میں ایک بھی ایسا نہ تھا کہ جس کو آرمی سے ریٹائر ہونے والے ایک بریگیڈیئر کی عقل تامہ جیسی عقل تھی۔ جنہوں نے دین کی سربلندی اور حقانیت کے لیے اپنی زندگیاں وقف کر دیں۔ دور دراز کے سفر کیے۔ ایک بے علم ان پر اعتراض کرنے کی جرأت پاکستان اسلامی جمہوریہ میں کر رہا ہے۔ اس سے بڑا اسلام پر حملہ اور کیا ہو سکتا ہے۔ غیروں کی خوشنودی کے حصول کی خاطر ایک مسلمہ مسئلہ کو خراب کرنے کے وہ درپے ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

ہشام بن عروۃ اپنے وقت کے امام تھے۔ خطیب بغدادی کے حوالے سے ان کو واضح طور پر دروغ گو کہہ دیا گیا۔ معلوم نہیں کہ انہوں نے موطا امام مالک دیکھی ہے کہ نہیں۔ اگر ایسے لوگ موطا کو دیکھیں تو ان کو پچاس سے اوپر ایسی روایات ملیں گی جن کو امام مالک نے ہشام بن عروۃ سے نقل کیا ہے۔ اگر امام مالک ان کو دروغ گو سمجھتے ہوتے تو کبھی اپنی موطا میں ان کی کسی بھی روایت کو جگہ نہ دیتے۔

جو خود دروغ گو ہوتا ہے۔ دوسروں پر الزام لگانے میں وہ بہت دلیر ہوتا ہے۔ پہلے ہی عرض کر دیا گیا تھا کہ احادیث پر اعتراض کرنے والے حوالوں میں ہیرا پھیری کرنے کو معیوب نہیں سمجھتے۔ احادیث اور اس کے راویوں کے بارے میں نامناسب زبان بھی بڑی دلیری سے استعمال کرتے ہیں۔

جہاں تک خانگی اور ذاتی زندگی کے بارے میں حقائق سے آگاہ کرنے کا تعلق ہے۔ تو یہ بالکل جائز اور احسن ہے۔ جب اللہ حق بیان کرنے سے نہیں شرماتا تو انسانوں کو شرمانے کی کیا ضرورت ہے۔ بڑی دادی اماں اپنے بچوں کو بتائے کہ میری شادی چھوٹی عمر میں ہوئی تھی تو اس میں قباحت کا کون سا پہلو نمایاں ہوتا ہے۔ جب مقصد ہی اعتراض کرنے کا ہو تو پھر ہر پہلو میں نقص دکھائی دیتا ہے۔

امام الذہبی کی میزان الاعتدال کے حوالے سے جو لکھا گیا، وہ سراسر جھوٹ اور امام الذہبی پر بہتان ہے۔ ہشام کے ترجمہ ۹۲۳۳ میں اس کا کوئی ذکر نہیں۔

شق ۱۸ میں بریگیڈیئر صاحب نے عائشہ ؓ کی گڑیوں اور جھولے کے حوالے سے اپنی ۱۳/۱۴ سالہ پوتیوں کا ذکر کیا ہے کہ وہ اب بھی گڑیوں سے کھیلتی ہیں اور شاید مزید چند سال بھی کھیلتی رہیں گی۔

بڑے لوگوں کی غلط سوچ:

ہمارے معاشرے کی سب سے بڑی ستم ظریفی یہی ہے کہ اپنی

پوتیوں کے بارے میں تو سوچتے ہیں اوران کے گڑیوں سے کھیلنے پر فخر کرتے ہیں۔لیکن ان بچیوں کا ان کوکوئی خیال نہیں ہوتا جوغربت میں جنم لیتی ہیں اورغربت میں زندگی کے دن گزار کرمٹی میں دفن ہوجاتی ہیں۔ ۵/ ۷سال کی عمر میں امیروں کی خدمت کرنا ان کا مقدر ہوتا ہے اورکسی امیر کا گھر نہ ملے تو اپنے والدین کے ساتھ محنت مزدوری کرتے کرتے بوڑھی ہوجاتی ہیں۔

بات گڑیوں اورجھولے کی نہیں بلکہ عائشہ ؓ کی عمر کی تھی جوشادی کے وقت وہی تھی۔جس پرتمام محدثین ومؤرخین کا اجماع ہے۔غیروں کو خوش کرنے کی کوشش کرنے والوں کے تصورات ومفروضوں سے اس میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوگی۔

شق ۱۹ میں بریگیڈیئر صاحب کا کہنا ہے۔ عائشہ صدیقہ ؓ کا واقعہ امام ابوحنیفہ، ابن اسحاق اورامام مالک ؒ نے نقل نہیں کیا۔ جو ہشام کے زمانے کےقریب ترین تھے۔لہٰذا ہشام والی روایت درست نہیں۔ امام بخاری کو اگر تدوین وتحقیق کا مزید موقع ملتا تو وہ غیر معتبر روایات کومسترد کردیتے۔ حادثہ متناقض اورمتضادروایات صحیح بخاری میں جگہ پاگئیں اوران کے شاگردوں نے بغیر ترمیم واصلاح شامل کرلیں۔ اسی لیے قاری کوابواب وعنوانات میں خاصی بے ربطی محسوس ہوتی ہے اورموضوع کی مناسبت سے متوقع عنوان کے ذیل کی بجائے بہت سی احادیث بالکل غیر متعلقہ عنوانات کے تحت کہیں اور مرقوم پائی جاتی ہیں۔ان میں ایسی احادیث بھی ہیں جودرایت اورعقل سلیم کے خلاف ہیں کیوں کہ امام بخاری کی بے وقت وفات سے مزید تحقیق اورتصدیق کا عمل نامکمل رہ گیا۔

امام مالک ہشام کے اہم ترین شاگرد تھے۔انہوں نے عائشہ ؓ کی رخصتی والی روایت نہیں اپنائی کیوں کہ اس وقت تک یہ روایت وضع نہیں ہوئی تھی۔ابن عروہ کی روایات متصل نہیں بلکہ منقطع ہیں اوراصول حدیث کی رو سے مدلس یعنی Fabricated ہیں۔

محقق کی تحقیق کی حقیقت:

محقق نے اپنی تحقیق کا ماخذ تین کتابوں کو بنایا۔یعنی ان کے نزدیک سارا دین صرف ان تین ہی کتابوں میں پایا جاتا ہے۔ان کو اتنا بھی علم نہیں کہ کسی خبر کے مذکور نہ ہونے سے وہ معلوم نہیں ہوجاتی ہے۔ امام ابوحنیفہ ؒ کی وہ کون سی کتاب ہے کہ جس میں انہوں نے دوسرے محدثین کی طرح دینی تعلیم کوجمع کردیا ہے۔انہوں نے قرآن کی کوئی تفسیر نہیں لکھی تو کیا قرآن کا انکار کردیا جائے گا۔

امام مالک ؒ نے اگر عائشہ ؓ کے نکاح اوررخصتی والی روایت نہیں اپنائی تو کیا باقی تمام احادیث وتاریخ کی کتابوں کا ردّ کردیا جائے گا۔ امام مالک ؒ نے نہ صرف عائشہ ؓ کی شادی کا ذکر ہی نہیں کیا۔ بلکہ تمام ازواج مطہرات اوررسول اللہ ﷺ کی بیٹیوں کی شادیوں کا بھی ذکر نہیں کیا تو کیا ان کی شادیوں کا انکار کردیا جائے گا۔

جہاں تک ابن اسحاق کا تعلق ہے تو جناب محقق نے سیرت ابن ہشام پوری پڑھی نہیں بلکہ حوالے سے حوالہ نقل کردیا ہے۔مصطفیٰ البابی الحلبی مصری کی مطبوعہ سیرت ابن ہشام ج:۲،ص:۶۴۳، ۶۴۴ ذکر ازواجہ ؓ،امہات المومنین میں ام المومنین عائشہ صدیقہ ؓ کے بارے میں مروی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے مکہ میں ان سے نکاح کیا جب ان کی عمر سات تھی اورمدینہ میں خلوت کی تو ان کی عمر نو سال تھی۔

چوں کہ محقق صاحب کا مشن احادیث کا ردّوانکار کرنا ہے۔ان کو کیا معلوم کہ فن حدیث کیا ہے۔یہ ایسا فن ہے کہ دنیا کی کوئی قوم اس کی مثال پیش نہیں کرسکتی۔محقق صاحب کو یہ بھی معلوم نہیں کہ امام بخاری نے دن رات محنت کرکے اورہر حدیث وعنوان کے لیے اللہ سے استخارہ کرکے سولہ سال میں مکمل کرکے اس وقت کے بڑے بڑے اماموں کو دکھا کر زندگی ہی میں ان کی تائید حاصل کی تھی۔

دینی مدارس میں سے فارغ ہونے والوں کوسب سے آخری حدیث کی کتاب صحیح بخاری ہی پڑھائی جاتی ہے۔کیوں کہ اس کے ترجمۃ الباب اورروایت میں تعلق پیدا کرنا ہی علمی فن ہے۔جو اساتذہ کی رہنمائی کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا اورجہلاء وہی کہتے ہیں جومحترم بریگیڈیئر صاحب نے کہا ہے۔کشف الظنون کے مطابق صحیح بخاری کی اسی سے زیادہ شرحیں لکھی جاچکی ہیں۔جن میں فتح الباری کوفوقیت حاصل ہے۔

محقق صاحب کو یہ علم بھی نہیں کہ مدلس کو Fabricated نہیں کہتے۔ بلکہ انگریزی کا لفظ من گھڑت روایت کے لیے استعمال ہوتا ہے اور مدلس اس راوی کو کہا جاتا ہے جو اپنے استاد کا واسطہ چھوڑ کر روایت بیان کرتا ہے۔

ان کو یہ بھی معلوم نہیں کہ صحیح بخاری کو قرآن حکیم کے بعد سب سے صحیح کتاب اس لیے کہا جاتا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا راویوں کو پرکھنے کا معیار بہت بلند تھا۔ دو راویوں کے ہمعصر ہونے کو وہ کافی نہ سمجھتے تھے۔ بلکہ جب تک دونوں کے درمیان ملاقات ثابت نہ ہو جاتی۔ وہ ان کی روایت نہیں لیتے تھے۔ اسی کو متصل کہا جاتا ہے۔

رہی بات عقل سلیم کی تو ہر فن کے لیے اس کا ایک معیار ہوتا ہے۔ جیسے ایک فوجی فوج میں زندگی گزارنے کے بعد فوجی عقل سلیم حاصل کرتا ہے۔ ویسے ہی علمی میدان میں دن رات محنت کرنی پڑتی ہے اور جتنا بڑا عالم و محقق ہوگا وہ ایسے محسوس کرے گا کہ ابھی اس نے کچھ نہیں پڑھا۔ کیوں کہ علمی سمندر کی گہرائی اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ جب کہ فوجی عقل سلیم والے نے صدیوں سے جمع ہونے والے علمی سرمایہ کی بلا تکلف نفی کر دی۔ کسی محدث کے پاس بیٹھ کر حدیث کا علم حاصل کیا ہوتا تو صحیح بخاری کا ہر عنوان اور اس کے تحت مروی حدیث کا آپس میں تعلق سمجھنے میں ان کو کوئی دشواری پیش نہ آتی اور ہر حدیث ان کی عقل سلیم کے عین مطابق ان کو نظر آ جاتی۔

شق ۲۰ میں بریگیڈیئر صاحب نے بلا دلیل و حوالہ لکھا ہے۔ ہشام بن عروۃ ۱۳۱ھ تک قیام مدینہ میں عراقی احادیث کو ناقابل اعتبار ٹھہراتا تھا۔ لیکن عراق میں پہنچتے ہی اس کو عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر کے بارے میں نو راوی کوفہ سے اور چار بصرہ سے مل گئے۔ جنہوں نے ہشام کی مدنی شہرت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان کے نسیان کی وجہ سے عائشہ رضی اللہ عنہا والی حدیث اس سے منسوب کر کے پھیلا دی۔ یوں اختلاف و انتشار کی بنیاد رکھ دی۔

بہتان بازی کی انتہاء:

احادیث اور ان کے راویوں کے بارے میں مذکورہ عبارت پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ اختلاف و انتشار پیدا کرنے والا شخص اس حدیث کے راویوں پر اختلاف و انتشار کا الزام لگا رہا ہے۔ جو ائمہ حدیث کے نزدیک متفق علیہ ہے۔ جس میں اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں مگر محقق نے اس کے من گھڑت ہونے کا دعویٰ بھی کر دیا۔

بریگیڈیئر صاحب کو معلوم نہیں کہ کوفہ اور بصرہ کی بنیاد رکھنے والے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تھے اور تین سو سے اوپر جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم نے وہاں سکونت اختیار کی اور ان صحابہ ﷺ سے بیان کرنے والوں کے نام طبقات ابن سعد کی چھٹی اور ساتویں جلد میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ جو سینکڑوں کی تعداد میں تھے۔ جن کے حالات زندگی ائمہ حدیث نے کتابوں میں محفوظ کر دیئے ہیں۔ آج ثقہ راویوں اور ضعیف راویوں کے بارے میں پوری معلومات فن حدیث کی کتابوں میں مہیا کر دی گئی ہیں۔

جس حدیث کو متنازع بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ وہ تاریخ کی حسب ذیل کتابوں میں بھی موجود ہے:

(۱)...... البداية والنهاية، ج:۸، ص:۹۔

(۲)...... تاريخ خميس، ج:۱، ص:۲٦٦۔

(۳)...... تاريخ الكامل، ج:۲، ص:۲۰۹، ۲۱۰۔

(٤)...... تاريخ الطبرى، ج:۲، باب السنة العاشرة، ذكر الخبر عن ازواج رسول اللهﷺ۔

کیوں کہ بریگیڈیئر صاحب کے نزدیک تاریخی حوالہ زیادہ معتبر ہوتا ہے۔

بریگیڈیئر صاحب کی خواہش ہے کہ غیروں کو خوش کرنے کے لیے اپنی تمام ان کتابوں میں تبدیلی کر دی جائے کہ جن میں عائشہ رضی اللہ عنہا کی کم سنی میں شادی کا ذکر ہوا ہے۔ اس سے بڑھ کر غیروں کی اطاعت کا اور کیا مظاہرہ ہو سکتا ہے۔ بیرون ملک تو ایسے فتنوں کی سرپرستی کی جاتی ہے۔ اب یہ سلسلہ پاکستان میں بھی شروع ہو گیا ہے۔ لیکن اللہ اپنے دین کی حفاظت کرنے والا ہے۔ وہی اس کا بندوبست کرے گا۔

بریگیڈیئر صاحب تو عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر کی تصحیح کے بارے میں کوشاں ہیں۔ جب کہ کینیڈا سے چھپنے والی کتاب The Quranic

concept of Nikah میں اختر شیرازی نے عائشہ، ابوہریرہ اور خدیجہ رضی اللہ عنہم کا بالکل ہی انکار کردیا ہے۔اس کا کہنا ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف دو بیویاں تھیں۔اس نے تمام احادیث کا مذاق اڑاتے ہوئے لکھا ہے کہ ان کی تدوین عباسی خلفاء کے زمانے میں ہوئی۔ یہ تصور انگریزوں نے دیا اور ہندوستان میں اس کو مقبول بنانے میں بڑی کوششیں کی گئیں۔لیکن علمائے اسلام نے اس کا بھرپور جواب دیا۔ پاکستان بننے کے بعد جب پھر اس فتنہ نے سر اٹھایا تو اس کا سدباب بھی ہوتا رہا ہے۔اب بیرونِ ملک سے اس کو بڑے منظم طریقے سے پاکستان پہنچانے کی کوشش کا آغاز ہوچکا ہے۔علمائے اسلام کا فرض ہے کہ جس طرح بیرونِ ملک سے شائع ہونے والے خاکوں کے خلاف تحریک چلا رہے ہیں۔ ویسے ہی اس بے دینی یلغار کو ناکام بنانے کے لیے بھی میدان میں آجائیں۔ تاکہ دینی اختلاف وانتشار سے قوم محفوظ ہوجائے۔

شق ۲۱ میں بریگیڈیئر صاحب کا کہنا ہے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا والی حدیث اصل میں اثر ہے اور اس کو فعلی حدیث بنانے کے لیے نو سال کی عمر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عائشہ رضی اللہ عنہا سے صنفی مقاربت والی حدیث گھڑ لی گئی۔ تاکہ وہ فعلی حدیث ثابت ہوجائے اور حدیث کے احترام میں عرب کی گرم آب وہوا کو جواز بنایا کہ اس میں لڑکیاں جلد جوان ہوجاتی ہیں۔پھر انہوں نے یہ اشکال پیدا کیا کہ عرب یا جیکب آباد میں آج لڑکیاں بلوغت کو کیوں نہیں پہنچتی۔آخر میں انہوں نے ایک بار پھر امام مالک کے حوالے سے الزام لگایا کہ ہشام بن عروۃ کاذب تھا۔

اصل مقصد حدیث کا انکار ہے:

اپنے طویل مضمون کو ختم کرتے ہوئے نہ صرف صحاح ستہ بلکہ ان تمام احادیث اور تاریخ میں مروی متفق علیہ حدیث کو من گھڑت کہہ دیا۔ چوں کہ فن حدیث کے تو وہ خلاف ہیں۔ان کو کیا معلوم کہ حدیث وسنت اور خبر واثر کو بیان کرنے والے راوی جب ثقہ ہوں گے تو وہ عین حجت ہوگی۔ بات راوی کی عدالت وصداقت کی ہوتی ہے۔ جو خبر واثر یا حدیث وسنت کو قابل قبول بناتی ہے۔ان کو معلوم نہیں محدث کو اثری بھی کہا جاتا ہے۔

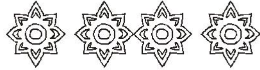
یہاں تک عرب یا غیر عرب میں عورت کو بلوغت کا تعلق ہے۔تو اس سلسلہ میں مختلف ممالک کی کم سن ماؤں کے حوالے پہلے ہی پیش کردیئے گئے ہیں۔ یورپ، امریکا وغیرہ ملکوں کے سکولوں کے کم سن بچوں کے بارے میں شاید ان کو معلوم نہیں کہ ان میں کم سنی ہی میں جنسی تعلق کا آغاز ہوجاتا ہے۔

رسول اللہ رحمہ اللہ کی ایک کم سن اور معمر عورت سے شادی کی حکمت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاحزاب میں آپ کے بارے میں فرمایا۔

﴿ لقد كان لكم في رسول الله اسوة حسنة لمن كان يرجوا الله واليوم الاخر وذكر الله كثيرا ﴾

''تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے۔اس کے لیے جو اللہ اور یومِ آخرت کی امید رکھتا ہو اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرتا ہے۔''

آپ نے امت کے لیے نمونہ قائم کردیا کہ حالات وواقعات اور ضرورت کے تحت ایسا ہوسکتا ہے۔ضروری نہیں کہ ایسا کیا جائے۔ اللہ حق کو سمجھنے کی ہمیں توفیق عطا فرمائے۔



اظہارِ تشکر

میرے بیٹے قاری عبدالعزیز کی وفات حسرت آیات پر میرے بہت سے احبابِ جماعت نے میرے ساتھ تعزیت کا اظہار فرمایا ہے۔ بذریعہ الاعتصام سب حضرات واخوان کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔
اللہ کریم انہیں اجر عظیم سے نوازے، آمین۔
[(مولانا) محمد ابراہیم خلیل، خطیب حجرہ شاہ مقیم]

ضرورت اساتذہ

دارالحدیث راجووال ضلع اوکاڑا میں شعبہ حفظ القرآن الکریم میں الحمد للہ پانچ اساتذہ تدریسی فرائض انجام دے رہے ہیں۔ مزید ایک استاذ کی فوری ضرورت ہے۔شادی شدہ اور محنتی آدمی رابطہ کریں۔
[پروفیسر عبیدالرحمٰن محسن بن مولانا محمد یوسف حفظہ اللہ۔ 0300-6972721]

احکام ومسائل

فضائل حج

غلام مصطفیٰ فاروق (ریحان چیمہ سیالکوٹ)

حج اسلام کا عظیم رکن ہے، اسے اسلام کے نظام عبادات میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ ہر صاحب ایمان کے دل میں حج کی تمنا، خواہش اور آرزو ہوتی ہے۔ بیت اللہ جو کہ نوع انسانی کا قبلہ و کعبہ ہے اس کی زیارت و روئیت کا اشتیاق وارمان ہر مسلمان کو بے قرار و بے تاب اور مضطرب رکھتا ہے ہر مومن بڑے عجز وانکسار کے ساتھ اپنے رب سے یہ دعا کرتا ہے۔ الٰہی! مجھے بیت اللہ، مسجد نبوی اوران مقامات کی زیارت کی توفیق عطا فرما۔ جہاں اللہ تعالیٰ کے بڑے بڑے جلیل القدر انبیاء علیہم السلام اور بالخصوص امام الانبیاء، فخر دو عالم، رحمت کائنات، حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ چلتے پھرتے اور ذکر ودعا میں مشغول اور مصروف رہا کرتے تھے۔

حج بیت اللہ کی اہمیت کو بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے سورہ آل عمران میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ﴾ [آلِ عمران: ۹۷]

''لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا یہ حق ہے جو اس گھر تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو وہ اس کا حج کرے، اور جو کوئی اس حکم کی پیروی سے انکار کرے تو اسے معلوم ہو جانا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ تمام دنیا والوں سے بے نیاز ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر بیت اللہ کا حج لازم اور فرض کر دیا ہے۔ راستہ پرامن ہو، آدمی صحت وتندرستی کے لحاظ سے سفر کے قابل ہو۔ اگر عورت ہے تو اس کا محرم ساتھ ہو بیت اللہ تک پہنچنے کی قدرت و استطاعت رکھتا ہو، اس کے پاس اپنی ضروریات سے زائد اتنا مال ہو کہ وہ بیت اللہ تک آنے جانے اور وہاں رہائش وخوراک کا خرچ برداشت کر سکے اور اپنی واپسی تک اپنے اہل وعیال کا انتظام کر سکے جن کا نفقہ اس کے ذمہ واجب ہے تو حج کرنا ضروری ہے۔

حج کا ثواب کیا ہے؟

(۱) حج سے، پہلے تمام گناہ ختم:

حج بیت اللہ کے بے شمار دینی اور دنیوی فوائد ہیں جن میں سے چند ایک یہ ہیں۔ مسنون طریقے کے مطابق حج کرنے والے کے پہلی زندگی کے تمام گناہ اللہ معاف کر دیتے ہیں۔

صحیح مسلم اور صحیح ابن خزیمہ میں حضرت ابن شماسہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: ہم حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے ہاں حاضر ہوئے جبکہ وہ قریب الموت تھے۔ وہ کافی دیر تک روتے رہے اور کہنے لگے: جب اللہ تعالیٰ نے دین اسلام میرے دل میں ڈالا، تو میں نبی اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! اپنا دست مبارک بڑھایئے، تاکہ میں آپ کی بیعت کروں۔ آپ ﷺ نے دست مبارک بڑھایا، تو میں نے اپنا ہاتھ روک لیا، آپ ﷺ نے فرمایا: اے عمرو! کیا ہوا؟ کہتے ہیں: میں نے عرض کیا کہ میں ایک شرط رکھنا چاہتا ہوں۔ فرمایا: کیا شرط رکھنا چاہتے ہو؟ کہتے ہیں: میں نے عرض کیا: (ان یغفر لی) یہ کہ میری مغفرت فرما دی جائے۔ اس پر سید الانبیاء ﷺ نے فرمایا:

اے عمرو! کیا تمھیں معلوم نہیں کہ اسلام لانا پہلے تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ ہجرت بھی ماقبل کے سب گناہ گرا دیتی ہے:

وَاِنَّ الْحَجَّ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهٗ . [صحیح الترغیب والترهیب: ۱۰۹۷۔ مشکوۃ المصابیح بتحقیق الالبانی: ۲۸]

''اور حج بیت اللہ بھی گزشتہ جرموں کو ختم کر دیتا ہے۔''

حج مبرور کی جزاء جنت:

صحیح بخاری، صحیح مسلم، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رحمت عالم ﷺ نے فرمایا:

اَلْعُمْرَ ةُ اِلَی الْعُمْرَةِ کَفَّارَةٌ لِّمَا بَیْنَهُمَا۔ وَالْحَجُّ الْمَبْرُوْرُ لَیْسَ لَهٗ جَزَآءٌ اِلَّا الْجَنَّةَ .

[صحیح الجامع الصغیر: ٤١٣٥، ٤١٣٦]

''ایک عمرہ دوسرے عمرے تک (درمیان میں سرزد ہونے والے گناہوں کے لیے کفارہ ہے۔ اورحج مقبول کی جزا جنت ہی ہے۔''

وہ حج جس میں کوئی گناہ سرزد نہ ہوا ہو۔ جس کے بعد آدمی سچی توبہ کر لے اور نیکی میں مصروف عمل رہے ایسے حج کی جزا سوائے جنت کے اور کیا ہوگی؟

گناہوں کے گندے اثرات زائل:

ترمذی، صحیح ابن خزیمہ اور صحیح ابن حبان میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ نبی مقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا:

تَا بِعُوْا بَیْنَ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ فَاِ نَّهُمَا یَنْفِیَانِ الْفَقْرَ وَالذُّنُوْبَ کَمَا یَنْفِی الْکِیْرُ خَبَثَ الْحَدِیْدِوَالذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَلَیْسَ لِلْحَجِّةِالْمَبْرُوْرَةِ ثَوَابٌ اِلَّا الْجَنَّةَ .

[سنن نسائی: ٢٦٣١۔ جامع الترمذی: ٨١٠]

''حج اور عمرہ پے در پے کیا کرو، کیونکہ حج اور عمرہ دونوں فقرو محتاجی اور گناہوں کو اس طرح دور کر دیتے ہیں جس طرح لوہار اور سنار کی بھٹی لوہے اور سونے چاندی کا میل کچیل دور کر دیتی ہے اور ''حج مبرور'' کا صلہ اور ثواب تو بس جنت ہی ہے''

معلوم ہوا جو شخص اخلاص وللھیت کے ساتھ حج یا عمرہ کرتا ہے وہ گویا اللہ تعالیٰ کے دریائے رحمت میں غوطہ لگا تا اور غسل کرتا ہے۔ جس کے نتیجہ میں وہ گناہوں کے گندے اثرات سے پاک صاف ہو جاتا ہے۔ اور اس کے علاوہ دنیا میں بھی اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فضل ہوتا ہے کہ فقرو محتاجی اور پریشان حالی سے اس کو نجات مل جاتی ہے اور خوش حالی اور اطمینان قلب کی دولت نصیب ہو جاتی ہے۔ اور مزید برآں ''حج مبرور کے صلہ میں جنت عطا ہونا اللہ تعالیٰ کا قطعی فیصلہ ہے۔

[معارف الحدیث: ٤/ ١٩٦]

جیسے آج پیدا ہوا:

صحیح بخاری، صحیح مسلم، نسائی، ابن ماجہ اور جامع ترمذی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

مَنْ حَجَّ فَلَمْ یَرْفُثْ وَلَمْ یَفْسُقْ رَجَعَ مِنْ ذُنُوْبِهٖ کَیَوْمِ وَلَدَتْهُ اُمُّهٗ . [سنن نسائی، کتاب مناسك الحج، باب فضل الحج: ٢٦٢٧]

''جس آدمی نے حج کیا اور اس نے نہ تو کسی شہوانی اور فحش بات کا ارتکاب کیا، اور نہ اللہ تعالیٰ کی کوئی نافرمانی کی، تو وہ گناہوں سے ایسے پاک صاف ہو کر واپس ہوگا جیسے اس دن تھا جس دن اس کی ماں نے اس کو جنا تھا''

قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے:

﴿ اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ فَمَنْ فَرَضَ فِیْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَ لَا فُسُوْقَ وَ لَا جِدَالَ فِی الْحَجِّ ﴾ [البقرة: ١٩٧]

اس آیت میں حج کرنے والوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ خاص کر زمانہ حج میں شہوت کی باتوں اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی والے سارے کاموں اور آپس کے جھگڑے بازی سے بچیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث پر عمل کرنے والوں کو بشارت سنائی گئی ہے۔ اور فرمایا ہے: جو شخص حج کرے اور ایام حج میں نہ تو شہوت کی باتیں کرے اور نہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے جو فسق کی حد میں آتی ہو، تو حج کی برکت سے اس کے سارے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے، اور وہ گناہوں سے بالکل اس طرح پاک وصاف ہو کر واپس ہوگا جیسا کہ وہ اپنی پیدائش کے وقت بے گناہ تھا۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے یہ دولت نصیب فرمائے۔

قدم قدم پر فضل وکرم:

بیہقی اور صحیح ابن حبان میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ ساقی کوثر ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَا تَرْفَعُ اِبِلُ الْحَاجّ رِجْلًا ، وَلَا تَضَعُ يَدًا اِلَّا كَتَبَ اللّٰهُ لَهٗ بِهَا حَسَنَةً اَوْ مَحَا عَنْهُ سَيِّئَةً اَوْرُفِعَ بِهَا دَرَجَةٌ . [صحيح الجامع الصغير : ٥٥٩٦]

''حاجی کا اونٹ جو قدم اٹھاتا ہے اور جو اگلا پاؤں رکھتا ہے، ہر ایک کے بدلہ میں اس کے لیے ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے ایک گناہ مٹا دیا جاتا ہے اور ایک درجہ بلند کر دیا جاتا ہے۔''

اللہ کے مہمان:

سنن نسائی، ابن ماجہ، صحیح ابن خزیمہ، صحیح ابن حبان اور مسند البزار میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلْحَجَّاجُ وَالْعَمَّارُ وَفْدُ اللّٰهِ دَعَاهُمْ فَاَجَابُوْهُ وَسَاَلُوْهُ فَاَعْطَاهُمْ .

[صحيح الجامع الصغير : ٣١٧٣]

''حج اور عمرہ کرنے والے اللہ تعالیٰ کے مہمان ہیں اللہ تعالیٰ ان کو بلاتا ہے یہ حاضر ہوتے ہیں یہ اس سے مانگتے ہیں تو وہ انہیں عطا فرماتا ہے۔''

خلاصہ کلام:

ان احادیث مبارکہ سے حسب ذیل فوائد واضح ہوئے۔

① ......حج کرنا ایسا عظیم الشان عمل ہے جس سے اللہ تعالیٰ زندگی بھر کے پہلے تمام گناہ و معاصی معاف کر دیتے ہیں۔

② ......حج کی جزا و بدلہ جنت و بہشت ہے۔

③ ......حج کرنے سے فقر و محتاجی اور گناہ دور ہو جاتے ہیں۔

④ ......حج کرنے والا گناہوں سے ایسے پاک وصاف ہو جاتا ہے جیسے اس نے اپنی ماں کے گھر آج ہی جنم لیا ہو۔

⑤ ...... حاجی کے ایک ایک قدم پر اللہ تعالیٰ اجر و ثواب میں اضافہ، درجات میں بلندی اور گناہ کی معافی فرماتے ہیں۔

⑥ ......حجاج کرام اللہ تعالیٰ کے وی، آئی، پی ضیوف و مہمان ہوتے ہیں۔

یہ بے پناہ اجر و ثواب۔ صلہ و بدلہ اور فوائد و منافع ہی ہیں جن کے حصول کے لیے ہر مسلمان حج بیت اللہ کے لیے بے تاب و مضطرب نظر آتا ہے۔ اس فرض کی ادائیگی کے لئے مکہ مکرمہ پہنچنا ضروری ہے جس کے لیے وسائل و اسباب کی ضرورت ہے۔

موجودہ حالات اور سفر حج:

روٹی، کپڑا اور مکان کے سلوگن کی دعوے دار جماعت کے دور اقتدار میں غرباء و شرفاء تعلیم، خوراک، رہائش، انصاف، صحت و دوائی سے محروم ہو چکے ہیں۔

اربوں روپے کے مقروض اس ملک کے حکمرانوں کو اپنے وزراء کے ہمراہ بیرونی ممالک کے سیر سپاٹوں سے ہی فرصت نہیں ملتی۔ چند دنوں کے لیے اپنے ملک کے ''دورہ'' پر آتے ہیں اور پھیرا لگا کر پھر واپس چلے جاتے ہیں۔ غریب و نادار عوام آٹے کا مطالبہ کرتے ہیں آواز آتی ہے ہم موبائیل کالز، کمپیوٹر، ڈش، سی ڈیز سستی کر رہے ہیں۔ اور عوام چینی و شکر مانگتے ہیں بیان آتا ہے مطمئن رہیں میک اپ کے سامان سے ڈیوٹی ختم کر رہے ہیں۔

امن و امان اس قدر تباہ ہے کہ اس کی مثال نہیں ملتی ہے بے روز گاری کا ایک سیل رواں ہے جو بڑھتا ہی چلا جا رہا ہے حکومتی اداروں کا کسی بھی ادارہ پر کنٹرول ختم ہو چکا ہے۔ مہنگائی اپنے پورے عروج پر ہے جس نے محنت کش اور مزدور کی کمر دوھری کر کے، بلکہ توڑ کر رکھ دی ہے ضروریات زندگی کی اشیاء اور بالخصوص اشیاء خورد و نوش اس قدر مہنگی ہو چکی ہیں کہ ایک غریب مزدور آدمی کی پہنچ سے بہت دور ہو گئی ہیں۔

روزانہ بارہ بارہ گھنٹے کی لوڈ شیڈنگ نے ہر کاروبار کا ستیاناس کر کے رکھ دیا ہے گھی، آٹا، دال، چینی کے حصول کے لیے کئی گھنٹے قطار میں کھڑا ہو کر انتظار کرنا اور بالآخر دھکم پیل میں زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھنا روزمرہ کا معمول بنتا جا رہا ہے۔

ہیں تلخ بہت بندہ مزدور کے اوقات

ایسے کٹھن اور مشکل حالات میں ایک غریب ملازم و مزدور کا حج و عمرہ کا سفر اختیار کرنا جس کے لیے ہزاروں نہیں لاکھوں روپے درکار رہوں ناممکن نہیں تو انتہائی مشکل ضرور ہے۔

نوٹ: زیر طبع کتاب ''یہ اعمال اپنائیں اور حج کا ثواب پائیں'' سے ایک باب۔

اصلاحِ معاشرہ

تکمیل انسانیت کے لیے چار صالح اخلاق

صاحبزادہ عبدالحنان جانباز بن مولانا محمد علی جانباز رحمہ اللہ

انسان اللہ تعالیٰ کی بہترین اور شاہکار تخلیق ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ ﴾ [التين: ٤]

''تحقیق ہم نے انسان کو بہت اچھی صورت میں پیدا کیا ہے۔''

تخلیق انسانی میں اللہ تعالیٰ نے سب سے بڑی خوبی یہ رکھی ہے کہ اس میں عقل وتدبر، فہم وفراست، حکمت ودانائی اور سمع وبصر کی قوتیں ودیعت فرمائیں۔ دراصل یہ انسان اللہ کی قدرت کا مظہر اور پرتو ہے۔

اللہ نے انسان کے اعزاز کو برقرار رکھنے کے لیے ہر دور میں اس کی اصلاح کا اہتمام فرمایا اور مختلف اصلاح کاروں کے ذریعہ تکمیل انسانیت کی راہیں ہموار کیں، اسلام میں بھی اس کے کئی معیار مقرر کیے گئے ہیں جس کی تشریح شارع علیہ السلام نے کر دی ہے، ان میں سے مندرجہ ذیل چار صالح اخلاق ایسے ہیں جن کی طرف ''محدث ہند'' شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ نے راہنمائی فرمائی ہے:

① ۔طہارت ② ۔اخبات ③ ۔سماحت ④ ۔عدالت

ا۔طہارت:

قرآنِ کریم نے مختلف مقامات پر یوں راہنمائی فرمائی ہے:

﴿ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ﴾ [المدثر: ٤]

''اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھو۔''

﴿ وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ﴾ [التوبة: ١٠٨]

''اور اللہ تعالیٰ پاک رہنے والوں کو ہی پسند کرتا ہے۔''

﴿ قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ﴾ [الأعلى: ١٤]

''بے شک وہ مراد کو پہنچ گیا جو پاک ہوا۔''

طہارت میں ہر قسم کی نجاستوں اور آلودگیوں سے پاکیزگی حاصل کرنا شامل ہے، طبعی نجاست ہو یا نفسانی غلاظت (عقائد باطلہ، کفر وشرک، نفاق والحاد) یا بغض، حسد، کینہ، غصہ اور بری خواہشات سے پاک وصاف ہونا ظاہری اور باطنی پاکیزگی، افعال وخیالات اور ذہنی وفکری پاکیزگی، یہاں تک کہ جائے مسکن وعبادات، مقاماتِ خرید وفروخت، ایوانِ عدل وانصاف، ایوانِ زیریں وبالا حتی کہ سرکاری، غیر سرکاری، دینی، رفاہی، سیاسی، معاشرتی، معاشی اداروں، جماعتوں اور انجمنوں تک کی تطہیر ضروری اور لازمی ہے۔

نفس کو پاک رکھنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ انسان قوتِ شہوانیہ، قوتِ حیوانیہ اور قوتِ غضبیہ کو عقل کے تابع بنائے اور عقل کو شریعت کے تابع رکھے تاکہ جسم، روح اور دل تجلی الٰہی کے نور سے منور ہو جائے۔

حصول طہارت کئی طرح سے ہے، مثلاً نفس کا کفر وشرک اور عقائد باطلہ کی آلائشوں سے پاک کرنا فاسد نیت اور اخلاق ذمیمہ، بد باطنی، کھوٹ، کینہ، جھوٹ دغابازی، حسد اور تکبر وغیرہ سے نفس کو پاک رکھنا۔

بدن اور لباس کو ظاہری نجاستوں مثلاً، خون، پیپ، بول وبراز، منی، مذی، حدث اور جنابت سے وضو وغسل کے ذریعہ سے پاک کرنا۔ جب کہ بدن کو بیرونی نجاستوں مثلاً زیر ناف وبغل کے بالوں کو صاف کرنا، ناخن تراشنا، بدن پر میل کچیل جمع ہو جائے تو دھونا، صاف کرنا، سر اور داڑھی کے بالوں کو دھونا، تیل لگانا، کنگھی کرنا، خوشبو لگانا وغیرہ۔

مال کو زکوٰۃ وصدقات کے ذریعہ سے پاک کرنا اور حرام آمدن سے بچنا، چوری، سود، غصب، رشوت، خیانت، دھوکہ، ناجائز کمیشن اور دیگر حرام ذرائع مثلاً قمار بازی، شراب فروشی اور بدکاری، اسی طرح حرام چیزوں کی تجارت جیسے مردار اور حرام جانوروں کی خرید وفروخت سے بچنا بھی طہارت ہے۔ روحانی طہارت کے حصول کے لیے جسم کو حلال غذا کا

عادی کرنا ضروری ہے۔

۲۔ اِخبات (عاجزی، نیازمندی اور خضوع)

اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے آپ کو ہمیشہ عاجز و نیاز مند پیش کرنا اور چشم دل کو ہر وقت اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کرنا۔

تفصیل اس کی کچھ یوں ہے کہ جب نفس سلیم خارجی اور طبعی تشویشات سے فارغ ہو اور اللہ تعالیٰ کی صفات اور کبریائی، عظمت وجلالت اس کے سامنے ہو اور کسی نہ کسی طرح اس کی توجہ اس طرف ہو تو لامحالہ اس میں ایک دہشت اور حیرت پیدا ہوگی پھر جیسے ہی وہ اس حالت سے باہر آئے گا تو یہی حیرت ودہشت خضوع اور عاجزی و نیاز مندی میں بدل جائے گی، جیسے غلام کی حالت اپنے آقا کے سامنے، جیسے غریب کسان کی حالت بادشاہ کے سامنے، جیسے محتاج اور سائل کی حالت سخی وکریم کے سامنے ہوتی ہے۔ نفس کی یہ حیران کن حالت ایسے ہی ہے جیسے ملائے اعلیٰ کی حالت اللہ تعالیٰ کے جلال و کبریائی کے سامنے ہوتی ہے ویسا ہی خشوع وخضوع، عاجزی، نیازمندی اور مناجات کی حالت، جب نفس ایسی کیفیت سے مزین ہو جائے اور خضوع والا جو ہر نفس انسانی پر غالب آجائے تو اس نفس پر معارفِ جلیلہ ظاہر ہوتی ہیں جسے ہم اللہ تعالیٰ کا خاص فضل واحسان کہتے ہیں، قرآنِ مجید میں اس کا ذکر یوں ہے:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ اَخْبَتُوْۤا اِلٰى رَبِّهِمْ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ ﴾ [هود: ۲۳]

''جولوگ ایمان لائے اور عمل نیک کیے اور اپنے پروردگار کے آگے عاجزی کی، یہی جنت والے ہیں وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔''

دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿ فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗۤ اَسْلِمُوْا وَ بَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ﴾ [الحج: ۳٤]

''سو تمہارا معبود ایک ہی ہے تو اسی کے فرمانبردار ہو جاؤ اور عاجزی کرنے والوں کو خوشخبری سنا دو۔''

ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿ وَ لِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَيُؤْمِنُوْا بِهٖ فَتُخْبِتَ لَهٗ قُلُوْبُهُمْ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ ﴾ [الحج: ٥٤]

''اور یہ بھی غرض ہے کہ جن لوگوں کو علم عطا ہوا ہے وہ جان لیں کہ وہ (یعنی وحی) تمہارے پروردگار کی طرف سے حق ہے تو وہ اس پر ایمان لائیں اور ان کے دل اللہ کے آگے عاجزی کریں اور جو لوگ ایمان لائے ہیں اللہ ان کو سیدھے رستے کی طرف ہدایت کرتا ہے۔''

۳۔ سماحت (سماحت، فراخ دلی، آسانی ونرمی):

تکمیل انسانیت کے لیے تیسری خصلت سماحت ہے اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ انسان کا نفس خسیس اور بہیمی خصائل کے سامنے مغلوب نہ ہو مثلاً لذت کی طلب، انتقام کی خواہش، بخل، حرص اور لالچ کے آگے نفس مغلوب نہ ہو، اس خصلت کے اور بھی کئی شعبے ہیں:

①...... اگر نفس کی شہوت شرم گاہ اور پیٹ کی خواہش کو قبول نہ کرے تو اس کو ''عفت'' کہتے ہیں۔

②...... اگر طبیعت انتہا درجہ کی فارغ البالی، آسودگی اور خوشحالی کے جذبے کو قبول نہ کرے تو اس کو ''مجاہدہ'' کہتے ہیں۔

③...... اگر نفس انتقام کے داعیہ اور جذبہ کو قبول نہ کرے تو اس کو ''عفو ودرگزر'' کہتے ہیں۔

④...... اگر طبیعت تنگ دلی اور بے صبری کے جذبے کو قبول نہ کرے تو اسے ''صابر طبیعت'' کہتے ہیں۔

⑥...... اگر طبیعت شریعت اور حدود اللہ کی مخالفت کو قبول نہ کرے تو اسے ''تقویٰ'' کہتے ہیں۔

قرآنِ کریم ان صفات کی طرف یوں راہنمائی فرماتا ہے:

﴿ وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ﴾ [الحشر: ۹]

''اور ان کو اپنی جانوں سے مقدم رکھتے ہیں خواہ ان کو خود احتیاج ہی ہو۔''

﴿ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝ ﴾ [المدثر: ٥]

''اور پلیدی کو چھوڑ دے۔''

۴۔عدالت:

تکمیل انسانیت کی چوتھی خصلت عدالت ہے۔ انسانی زندگی کے تمام عادلانہ نظام اور سیاست عامہ کا انحصار اسی خصلت پر موقوف ہے، اس کے بھی کئی شعبے اور شاخیں ہیں:

①......اگر کوئی انسان مسلسل اپنی حرکات وسکنات پر نظر رکھے اور اپنے ہر معاملہ میں احسن اور صالح طریقہ اختیار کرے اور وہ ہدایت یافتہ بھی ہو، تو ایسی حالت میں اس کو ''ادب'' کہتے ہیں۔

②......اگر جمع وخرچ اور خرید وفروخت وغیرہ کے معاملات میں بہتر کارکردگی وکارسازی اور اچھی تدبیر اختیار کی جائے، تو اس کو ''کفایت'' کہتے ہیں۔

③...... اگر حصول منزل کے لیے تدبیر اور بہتر طریق اختیار کیا جائے، تو اسے ''حریت'' کہتے ہیں۔

④...... اگر عوام کی اصلاح اور لشکر کی تربیت کی جائے، تو اسے ''سیاست مدنیہ'' کہتے ہیں۔

⑤...... اگر لوگوں کے ساتھ پیار، محبت اور اخوت ومساوات کا طریق اختیار کیا جائے، تو اسے ''حسن معاشرت'' کہتے ہیں۔

⑥......عدالت والی خصلت جس میں پوری طرح متحقق ہوگی تو اس کے اور ملاء اعلیٰ کے درمیان ایک مناسبت پیدا ہوگی، کیوں کہ ملاء اعلیٰ کے مقربین ملائکہ میں اللہ تعالیٰ نے عادلانہ نظام کی اقامت اُن کی اصل فطرت میں رکھی ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عادلانہ نظام کو برپا کرنے کے لیے کوشاں رہنے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ ملاء اعلیٰ کے ذریعہ سے حسن معاملات کرتے ہیں، جس کا ایک نتیجہ اور اثر یہ بھی ہوتا ہے کہ بھائی بھائی کے ساتھ صدق کا جو بھی معاملہ کرتا ہے اس کے عادلانہ اثرات پورے معاشرے پر ظاہر ہوتے ہیں اور جو کوئی عادلانہ نظام کی مخالفت کرتا ہے اور احکام شریعت کے سامنے انکار اور سرتابی اختیار کرتا ہے تو ایسے شخص اور ملاء اعلیٰ کے درمیان نفرت اور وحشت ظہور پذیر ہوتی ہے پھر ایسے لوگوں کے معاشرے پر تنگی اور وحشت کا سایہ ہوتا ہے اور ملاء اعلیٰ کی نگاہوں میں وہ شخص ''ملعون'' ٹھہرتا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کے نزدیک چاروں اخلاق اپنی جگہ نہایت اہم ہیں، مگر اجتماعی نقطہ نظر سے عدالت کو خصوصی اور مرکزی حیثیت حاصل ہے، کیوں کہ عدالت ہی وہ واحد ذریعہ ہے جس سے کسی معاشرہ میں عدل وانصاف کے تقاضوں کو پورا کیا جاسکتا ہے، مگر صد افسوس کہ قدیم زمانہ سے لے کر آج تک سرمایہ پرست اور اجارہ دار ذہنیت کا ہمیشہ سے یہی وطیرہ رہا ہے کہ دنیا کی زیادہ تر آبادی کو اقتصادی اور معاشی پریشانیوں میں مبتلا رکھا جائے، ان کے حقوق کو پامال کرکے اخلاق سے محروم کیا جائے۔ نتیجتاً معاشرہ ظلم وزیادتی اور بے انصافی کا اکھاڑہ بن جائے۔

نزولِ قرآن کے مقاصد میں سے ایک عظیم مقصد مظلوم کو ظلم کی مصیبت سے نجات دلانا بھی ہے۔ چناں چہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُم ﴾ [الشوریٰ: ۱۵]

''اور مجھے حکم دیا گیا کہ میں تمہارے درمیان عدل وانصاف کروں۔''

﴿ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ﴾ [النساء: ۵۸]

''یہ کہ تم انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔''

﴿ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ﴾ [المدثر: ٦]

''اور (اس نیت سے) احسان نہ کرو کہ اس سے زیادہ کے طالب ہو۔''

﴿ وَ مَنْ يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ هُوَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴾ [النحل: ۷٦]

''اور وہ شخص جو لوگوں کو انصاف کرنے کا حکم دیتا ہے اور خود سیدھے راستے پر چل رہا ہے دونوں برابر ہیں۔''

﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ ﴾ [النحل: ۹۰]

''بے شک اللہ عدل کا حکم دیتا ہے۔''

اللہ تعالیٰ دنیا کے نظام کو عادلانہ پسند کرتے ہیں، مقربین ملائکہ ایسے لوگوں کے لیے اور ایسے معاشرہ کے لیے بارگاہِ الٰہی میں دعائے رحمت

وبرکت کرتے ہیں، جو اصلاحِ معاشرہ کی سعی کرتے ہیں اور جو لوگ فساد برپا کرنے کی سعی کرتے ہیں ان پر اور جو ایسے فسادیوں کے معاون ہوتے ہیں، ان پر اللہ تعالیٰ کے فرشتے لعنت بھیجتے ہیں۔ معاشرے میں عادلانہ نظام کی اہمیت کو اُجاگر کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ فِيْ تَرَاحُمِهِمْ وَتَوَادِّهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ كَمَثَلِ الْجَسَدِ إِذَا اشْتَكَى عُضْوًا تَدَاعَى لَهُ سَائِرُ جَسَدِهِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمَّى .))

''آپ مومنوں کو باہمی شفقت، محبت اور نرمی میں ایک جسم کی مانند دیکھیں گے کہ جب اس کے جسم کے ایک حصے کو تکلیف ہوتی ہے تو اس کا سارا جسم بیداری اور بخار کے ساتھ بے چین ہو جاتا ہے۔'' [بخاری: ۶۰۱۱]

❀......طہارت کی صفت کا حصول صرف وضو اور غسل سے ہی ممکن نہیں بلکہ اس کے لیے حصول رزقِ حلال بھی بہت بڑی شرط ہے۔

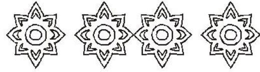
❀......خشوع کی صفت حاصل کرنے کے لیے نماز، مناجات، تلاوتِ قرآن، ذکرِ الٰہی، دعائیں اور تعوذات کا سلسلہ مقرر کیا گیا ہے۔

❀......سماحت کی صفت حاصل کرنے کے لیے عفو و درگزر اور حسن خلق وغیرہ جیسی باتیں مقرر کی گئی ہیں۔

❀......عدالت کی صفت حاصل کرنے کے لیے عادلانہ رویہ کی حوصلہ افزائی فرمائی گئی ہے۔

پس اگر کوئی شخص پاکیزگی، طہارت اور روحانیت کا معنی تو جانتا ہے مگر طبیعت کی قوت اس معنی کے حصول سے مانع ہے تو ایسے شخص کو روزہ رکھ کر اس کا علاج کرنا چاہیے۔ اگر طبیعت پر شہوت کا غلبہ زیادہ ہو تو اس کا علاج نکاح کے ذریعہ کیا جائے۔ اگر طبیعت لوگوں کی صحبت اور مجالس کی دلدادہ ہو تو اس کا علاج نماز، اعتکاف اور قلت اختلاط سے کیا جائے۔

اگر دماغی اور فکری خیالات میں بے یقینی اور انتشار ہو تو اس کا علاج ذکرِ الٰہی اور تلاوتِ قرآن پاک سے کیا جائے، اگر دنیا اور دنیاداری کی رسومات کا غلبہ ہو تو اس کے لیے جائے مسکن کو چھوڑ دینا ہی اس کا علاج ہے۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔



تعطیلات عید الاضحیٰ

عید الاضحیٰ ۱۴۳۱ھ کے سعید موقع پر بسلسلہ تعطیلات دفتر الاعتصام اور مولانا محمد عطاء اللہ حنیف لائبریری مؤرخہ 16 نومبر تا 20 نومبر 2010ء (بروز منگل تا ہفتہ) بند رہیں گے۔

لہٰذا ہفت روزہ الاعتصام کا شمارہ نمبر 46، 19 نومبر کی بجائے 26 نومبر 2010ء کو اشاعت پذیر ہوگا۔ ان شاء اللہ

قارئین وایجنٹ حضرات نوٹ فرمالیں۔ (ادارہ)

قارئین الاعتصام کو عید الاضحیٰ کی خوشیاں مبارک ہوں

تَقَبَّلَ اللّٰهُ مِنَّا وَمِنْكُمْ

اصلاحِ معاشرہ

رزقِ حلال کی برکتیں اور رزقِ حرام کا وبال

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

ہر جاندار کے زندہ رہنے کے لیے خوراک کی ضرورت ہے۔ اسی طرح انسان بھی زندہ رہنے کے لیے خوراک کا محتاج ہے۔ اس خوراک سے انسان کا جسم نشو ونما پاتا ہے۔ خوراک کا جسمانی صحت کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ اچھی خوراک سے جسم کے اعضاء طاقت حاصل کرتے ہیں۔ جب کہ بری خوراک کئی طرح کی بیماریوں کا باعث بنتی ہے۔ اسی لیے ہر شخص کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ اچھی سے اچھی غذا کھائے۔ انسانی خوراک میں پھل اور سبزیاں، دودھ اور گھی، گوشت اور انڈے اچھی غذائیں ہیں۔ ان سے جسم مضبوط اور توانا ہوتا ہے۔ جس طرح خوراک انسانی جسم کو ظاہری طور پر متاثر کرتی ہے اسی طرح غذا کا انسان کی روحانی صحت کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ انسان کو حصولِ رزق کے لیے جائز طریقے بتا دیے گئے ہیں۔

چناں چہ جو شخص روزی حاصل کرنے کے لیے جائز ذرائع استعمال کرے گا اور رزق حلال کھائے گا اُس کے اخلاق و کردار مثبت طور پر اثر قبول کریں گے۔ یوں اس کے لیے نیکی کے کام کرنے میں آسانی ہوگی۔ اس کا دل اللہ کی عبادت اور دوسرے نیک کاموں کی طرف مائل ہوگا۔ اس کے برعکس جو شخص روزی کمانے میں محتاط نہیں ہوتا اور اسے رزق حلال کی حصول کی فکر نہیں ہوتی، بلکہ اسے جس کام میں وافر روزی حاصل ہوتی نظر آتی ہے وہ اُسی کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ تو ایسے شخص کے اخلاق و کردار منفی اثر قبول کرتے ہیں۔

رزقِ حلال انسان کے کردار وعمل کو صحیح سمت کی طرف لے جانے میں مدد و معاون ہوتا ہے۔ اس لیے اسلام میں اس کے بارے میں خصوصی ہدایات دی گئی ہیں۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَ اشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ۝ ﴾ [البقرة: ۱۷۲]

''اے اہل ایمان! ان پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ جو ہم نے تم کو رزق دیا ہے اور اللہ کا شکر ادا کرو اگر تم اُسی کی عبادت کرتے ہو۔''

رزق کی فراہمی تو بہرحال اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری ہے۔ وہ اچھے برے اور نیک وبد سب کو روزی دیتا ہے۔ اب یہ انسان کی آزمائش ہے کہ وہ اپنی قسمت کا رزق کس طرح حاصل کرتا ہے۔ اگر اس نے پختہ ارادہ کرلیا کہ وہ حصولِ رزق کا کوئی ناجائز ذریعہ اختیار نہیں کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو اس کی قسمت کا رزق جائز اور حلال ذرائع سے دے گا، اور جس نے جائز وناجائز کا خیال نہ رکھا، بلکہ جس جگہ سے اسے زیادہ روزی ملنے کی امید ہوئی اس نے وہی ذریعہ اختیار کرلیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے بھی اس کا ازل سے طے شدہ مقسوم ہی ملے گا۔

انسان روزی کے حصول کے لیے جائز یا ناجائز جدوجہد تو کرسکتا ہے مگر روزی کا گھٹانا یا بڑھانا اس کے دائرہ اختیار میں نہیں، کیوں کہ قرآنِ مجید میں ارشاد ہے:

﴿ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يَقْدِرُ ﴾ [الرعد: ۲۶]

''اللہ جس کے لیے چاہتا ہے رزق بڑھاتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے رزق تنگ کردیتا ہے۔''

رزقِ حلال کی فضیلت واضح کرتے ہوئے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((طَلَبُ كَسْبِ الْحَلَالِ فَرِيْضَةٌ بَعْدَ الْفَرِيْضَةِ .))

''حلال روزی حاصل کرنے کی فکر وجدوجہد فرض کے بعد فریضہ ہے۔'' [رواه البيهقي في شعب الايمان]

گویا جس طرح اللہ تعالیٰ کے دوسرے احکام نماز روزہ وغیرہ فرض

ہیں۔ اسی طرح روزی کمانے کے لیے جائز ذرائع اختیار کرنا بھی فرض ہے اور اللہ کے احکام کی بجا آوری کا نام عبادت ہے۔ اسی طرح صاف ستھری روزی کمانے والے کو جہاں دوسرے بہت سے فائدے ہوں گے وہاں ایک فائدہ یہ ہوگا کہ اس راہ میں کی جانے والی کوشش پر اسے عبادت کا ثواب ملے گا۔

روزی کمانے کا بڑا ذریعہ تجارت اور سوداگری ہے۔ جو شخص اپنی تجارت اور کاروبار میں سچائی اور دیانت داری اختیار کرتا ہے اور اللہ کے احکام کی پابندی کرتا ہے اسے قیامت اور آخرت میں اچھے انجام کی خوشخبری سنائی گئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

((اَلتَّاجِرُ الصَّدُوْقُ الْاَمِیْنُ مَعَ النَّبِیِّیْنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَآءِ .))[سنن ترمذی]

''پوری سچائی اور دیانت داری کے ساتھ کاروبار کرنے والا تاجر (آخرت میں) نبیوں، صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔''

صاف ستھرے طریقے سے روزی کمانا آسان کام نہیں۔ کیوں کہ نفس انسانی تو انسان کو برائی کی طرف کھینچتا ہے۔ کثرت کی خواہش اور طمع ولالچ انسانی کو آسانی سے غلط راہ پر لے جاتا ہے۔ جیسا کہ قرآنِ مجید میں مذکور ہے:

﴿اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْءِ﴾ [یوسف: ۵۳]

''بے شک نفس تو پورے زور کے ساتھ برائی کی طرف مائل کرتا ہے۔''

اسی لیے جو شخص رضائے الٰہی کی خاطر یہ گھاٹی عبور کر لیتا ہے اسے جنت میں انبیاء، صلحاء اور شہداء کی رفاقت نصیب ہونے کی بشارت ہے۔

سب سے پاکیزہ اور بابرکت کمائی وہ ہے جو بندہ اپنے ہاتھوں کی محنت سے کمائے۔ رسول اللہ ﷺ حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

((مَا اَکَلَ اَحَدٌ طَعَامًا قَطُّ خَیْرًا مِنْ اَنْ یَّاْکُلَ مِنْ عَمَلِ یَدَیْہِ ، وَاِنَّ نَبِیَّ اللّٰہِ دَاوٗدَ عَلَیْہِ السَّلَامُ کَانَ یَاْکُلُ مِنْ عَمَلِ یَدَیْہِ .))[صحیح البخاری]

''کبھی کسی نے کوئی کھانا اس سے بہتر نہیں کھایا جو اُس نے اپنے ہاتھوں کی محنت سے کمایا ہو۔ اور اللہ کے پیغمبر داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھوں سے کام کر کے کماتے تھے۔''

ہاتھوں کی محنت سے کمانا کوئی گھٹیا کام نہیں بلکہ سنت داؤدی ہونے کے ناطے فضیلت کی بات ہے۔ جو لوگ ہاتھ سے کام کرنے والوں کو حقیر سمجھتے ہیں ان کے لیے اس میں عبرت کا سامان ہے۔ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ کون سی کمائی زیادہ پاک اور اچھی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

((عمل الرجل بیدہ وکل بیع مبرور .))

[مسند احمد، ح: ١٦٦٢٨]

''آدمی کا اپنے ہاتھ سے کام کرنا اور ہر تجارت جو پاک بازی کے ساتھ ہو (بہترین کمائی ہے)۔''

رزق حلال انسان کے وجود میں صالح خون پیدا کرتا ہے، جس سے اس کے دل میں نورانیت پیدا ہوتی ہے، جو اچھائیوں کی طرف مائل کرتی اور برائیوں سے نفرت پیدا کرتی ہے۔ اس کے برعکس حرام اور ناجائز طریقوں سے کمایا ہوا مال نری ہلاکت ہے اور انجام کے اعتبار سے بھی بدترین۔ حدیث میں آتا ہے:

اِنَّ اللّٰہَ طَیِّبٌ لَا یَقْبَلُ اِلَّا طَیِّبًا . [صحیح مسلم]

''بے شک اللہ پاک ہے اور وہ صرف پاک چیز ہی کو قبول کرتا ہے۔''

حرام کمائی میں سے اگر صدقہ وخیرات کیا جائے تو وہ بھی قبول نہیں، حتی کہ جو شخص حرام مال چھوڑ کر مر جاتا ہے وہ اس کے لیے جہنم کا توشہ بن جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَا یَکْسِبُ عَبْدٌ مَالَ حَرَامٍ فَیَتَصَدَّقُ مِنْہُ فَیُقْبَلُ مِنْہُ فَیُبَارَکُ لَہُ فِیْہِ ، وَلَا یَتْرُکُہٗ خَلْفَ ظَھْرِہٖ اِلَّا کَانَ زَادَہٗ اِلَی النَّارِ ، اِنَّ اللّٰہَ لَا یَمْحُو السَّیِّئَ بِالسَّیِّئِ وَلٰکِنْ یَمْحُو السَّیِّئَ بِالْحَسَنِ ، اِنَّ الْخَبِیْثَ لَا یَمْحُو الْخَبِیْثَ .))

[مسند احمد، ح: ٣٤٩٠]

''ایسا نہیں ہوتا کہ کوئی بندہ کسی ناجائز طریقے سے مال کمائے اوراس میں سے فی سبیل اللہ صدقہ کرے تو اس کا صدقہ قبول ہو، اوراس میں سے خرچ کرے تو اس میں برکت ہو۔ اور جو شخص حرام مال (مرنے کے بعد) پیچھے چھوڑ کے جائے گا تو وہ اس کے لیے جہنم کا توشہ ہی ہوگا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ بدی کو بدی سے نہیں مٹاتا بلکہ بدی کو نیکی سے مٹاتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ گندگی گندگی کو نہیں دھوسکتی۔''

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

((لَا تَزُوْلُ قَدَمَا ابْنِ آدَمَ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ مِنْ عِنْدِ رَبِّہٖ حَتّٰی یُسْئَلَ عَنْ خَمْسٍ: عَنْ عُمْرِہٖ فِیْمَ اَفْنَاہُ وَعَنْ شَبَابِہٖ فِیْمَ اَبْلَاہُ وَعَنْ مَالِہٖ مِنْ اَیْنَ اکْتَسَبَہٗ وَفِیْمَ اَنْفَقَہٗ وَمَاذَا عَمِلَ فِیْمَا عَلِمَ .))

[سنن الترمذی]

''قیامت کے دن اولادِ آدم کا کوئی فرد اپنے رب کے پاس سے اپنے قدم نہیں اٹھا سکے گا جب تک اس سے پانچ سوال نہ پوچھ لیے جائیں: ① زندگی کہاں فنا کی؟ ② جوانی کن مشغلوں میں بوسیدہ کی؟ ③ مال کہاں (اور کن طریقوں) سے کمایا؟ ④ مال کہاں خرچ کیا؟ ⑤ اپنے علم پر کتنا عمل کیا؟''

ان پانچ سوالوں میں سے تیسرا اور چوتھا سوال مال کے بارے میں ہے کہ تو نے زندگی میں مال کیسے کمایا اور کہاں خرچ کیا؟ گویا حرام مال دنیا میں تو انسان کھالے گا، پہن لے گا، بال بچوں کو کھلا لے گا اور پیچھے بھی چھوڑ جائے گا، مگر آخرت میں اسے جواب دہی کرنا ہوگی اور آخرت وہ جگہ ہے جہاں کوئی سفارش اور رشوت نہیں چلے گی اور فیصلہ کرنے والا خود اللہ تعالیٰ کی ذات ہوگی۔

رزق حرام کی جتنی بھی برائی بیان کی جائے کم ہے۔ کیوں کہ یہ کمائی انسان کو دوزخ میں لے جائے گی جس سے برا کوئی انجام نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ لَحْمٌ نَبَتَ مِنَ السُّحْتِ وَکُلُّ لَحْمٍ نَبَتَ مِنَ السُّحْتِ کَانَتِ النَّارُ اَوْلٰی بِہٖ .))

[مسند احمد، ح: ۱۳۹۱۹]

''وہ گوشت جنت میں نہ جا سکے گا جس کی نشوونما حرام مال سے ہوئی ہو اور ہر گوشت (جسم) جو حرام مال سے پلا بڑھا ہے دوزخ اس کی زیادہ مستحق ہے۔''

رشوت اور سود حرام کمائی ہے۔ جھوٹ بول کر، دھوکہ دے کر اور کم تول کر کی ہوئی کمائی حرام ہے۔ ملازم اگر شرائط ملازمت کے مطابق فرائض کی ادائیگی نہیں کرتا مگر تنخواہ پوری وصول کرتا ہے تو وہ بھی حرام کمائی ہے۔ چوری کرکے ڈاکہ ڈال کر لوٹا ہوا مال مالِ حرام ہے۔ مالِ حرام تمام نیکیوں کو ضائع کردیتا ہے۔ حرام مال کھانے والے کا نماز، روزہ اور حج قبول نہیں۔ حرام مال سے نکالی ہوئی زکوٰۃ مسترد ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنِ اشْتَرٰی ثَوْبًا بِعَشْرَۃِ دَرَاھِمَ وَفِیْہِ دِرْھَمٌ حَرَامٌ لَمْ یَقْبَلِ اللّٰہُ لَہٗ صَلٰوۃً مَا دَامَ عَلَیْہِ .))

[رواہ احمد فی المسند]

''جس شخص نے دس درہم میں کوئی کپڑا خریدا اور اس میں ایک درہم حرام کا تھا تو جب تک وہ کپڑا اس کے جسم پر رہے گا اس کی کوئی نماز اللہ کے ہاں قبول نہ ہوگی۔''

ایک شخص بڑے ذوق وشوق کے ساتھ حج کو جاتا ہے، سفر کی صعوبت اٹھاتا ہے، وہاں دوڑ دھوپ کرتا اور مشقت اٹھاتا ہے، ہاتھ پھیلا کر اللہ سے دعائیں مانگتا ہے مگر اس کی دعا حرام مال کی وجہ سے مسترد کردی جاتی ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''لوگو! اللہ تعالیٰ پاک ہے، وہ صرف پاک ہی کو قبول کرتا ہے اور اس نے اس بارے میں جو حکم اپنے پیغمبروں کو دیا ہے وہی اپنے سب مومن بندوں کو دیا ہے۔ (پیغمبروں کے لیے اس کا ارشاد ہے کہ) اے پیغمبرو! تم پاک اور حلال غذا کھاؤ اور نیک عمل کرو۔ (اہل ایمان کو مخاطب کرکے اس نے) فرمایا کہ اے

اہل ایمان تم ہمارے رزق میں سے حلال اور طیب کھاؤ اور حرام سے بچو۔اس کے بعد آپ ﷺ نے ایک ایسے آدمی کا ذکرفرمایا جوطویل سفرکرکے(کسی مقدس مقام پر) ایسے حال میں جاتا ہے کہ اس کے بال پراگندہ ہیں اورجسم اور کپڑوں پر گردوغبار ہے اوروہ آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا اٹھا کے دعا کرتا ہے: اے میرے ربّ! اے میرے ربّ! اورحالت یہ ہے کہ اس کا کھانا حرام ہے، اس کا پینا حرام ہے، اس کا لباس حرام ہے اورحرام غذا سے اس کی نشوونما ہوئی ہے۔تو اس آدمی دعا کیسے قبول ہوگی؟'' [صحیح مسلم]

حرام کمائی میں سود بھی شامل ہے۔قرآنِ مجید میں سودی کاروبار کی ممانعت کی گئی ہے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ o فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ وَ لَا تُظْلَمُوْنَ o ﴾ [البقرة: ۲۷۸، ۲۷۹]

''اے اہل ایمان! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور سود میں سے جو کچھ رہ گیا ہے وہ چھوڑ دو، اگر تم ایمان والے ہو۔پس اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اللہ اور اُس کے رسول کے ساتھ جنگ کے لیے تیار ہوجاؤ۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جس رات مجھے معراج ہوئی میرا گزر ایک ایسے گروہ پر ہوا جن کے پیٹ گھڑوں کی طرح ہیں اوران میں سانپ بھرے ہوئے ہیں جو باہر سے نظر آتے ہیں۔میں نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا: یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے بتلایا کہ یہ سودخور ہیں۔''

[مسند احمد، سنن ابن ماجه]

اسی سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حرام کمائی انجام کے اعتبار سے کس قدر خطرناک اورخوفناک ہے۔یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کمائی سے بھی منع کیا ہے جو مشتبہ ہو، یعنی جس کا حلال وحرام واضح نہ ہو، مبادا کہ وہ حرام ہو اور اس کا حصول عذاب میں مبتلا کرنے کا سبب بن جائے۔

آج ہم جس دور سے گزر رہے ہیں عام طور پر اس میں حلال وحرام کی تمیز اٹھ گئی ہے۔ہم پاکستانی مسلمان بحیثیت مجموعی دنیا کی بدعنوان ترین قوم شمار ہوتے ہیں۔رزقِ حلال کے حصول کی اہمیت نگاہوں سے دور ہوچکی ہے۔دولت کی ہوس اور کثرت کی خواہش نے عاقبت کی گرفت کو ذہن سے نکال دیا ہے۔یہ وہی دور ہے جس کی خبر رسول اللہ ﷺ نے ان الفاظ میں دی ہے:

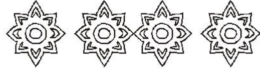
((يَـاْتِيْ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يُبَالِي الْمَرْءُ مَا اَخَذَ مِنْهُ اَمِنَ الْحَلَالِ اَمْ مِنَ الْحَرَامِ .))

[صحيح بخاری]

''لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ آدمی کو اس کی پروا نہ ہوگی کہ وہ جو لے رہا ہے، حلال ہے یا حرام؟''

ضرورت اس امر کی ہے کہ ہر مسلمان اپنی روزی پر نظر رکھے اور جہاں کوئی مشتبہ چیز نظر آئے اسے بھی چھوڑ دے۔پاکیزہ روزی حاصل کرے اور اسی سے اپنی ضروریات پوری کرے۔دنیا کی حیثیت ووجاہت اور Status کی اہمیت ذہن سے نکال دے اور سمجھ لے کہ اس Status کو بہتر سے بہتر کرنے کی جدوجہد میں اگر جہنم کی آگ میں جلنا پڑے تو کیا وہ ہمیں قبول ہے یا دنیا کی زندگی میں حلال پر اکتفا کرکے کمتر درجے کے Status پر گزارا کرنا بہتر ہے جس سے عاقبت کی سزا سے بچا جاسکے؟

جب انسان اپنی اصلاح کرلے اور رزقِ حلال کے حصول پر کاربند ہوجائے تو پھر اپنے رشتہ داروں اور حلقہ احباب میں رزقِ حرام کی شناعت واضح کرنے کے مواقع کی تلاش میں رہے اور موقع ملنے پر حق تبلیغ ادا کرکے سرخرو ہو۔ورنہ رزقِ حرام کھانے اور کھانے والوں کو نہ روکنے کا انجام تو اوپر رسول اللہ ﷺ کے فرامین کی روشنی میں واضح ہو چکا ہے۔ (بہ شکریہ، ماہنامہ میثاق، نومبر ۲۰۱۰ء۔لاہور)



احکام ومسائل

فضائل حرمین شریفین

مولانا لیاقت علی باجوہ (سیالکوٹ)

نبی ﷺ نے ارشادفرمایا:
((اَلْمَدِیْنَةُ وَمَکَّةُ مَحْفُوْظَتَان بالملئکة عَلٰی کُلِّ نَقْبٍ مِّنْهَا مَلَكٌ لَّا یَدْخُلُهَا الدَّجَّالُ وَالطَّاعُوْنُ .))
''مدینہ اور مکہ فرشتوں کے ذریعے یہ دونوں شہر محفوظ ہیں، ہر راستے پر ایک فرشتہ کھڑا ہے۔ دجال اور طاعون ان میں داخل نہیں ہوگا۔''[مسلم، کتاب الفتن: ۲۹۴۲]

ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش کے دن سے لے کر قیامت تک مکہ مکرمہ کو حرمت والا شہر قرار دیا ہے۔ کسی آدمی نے اس کی حرمت نہیں بنائی بلکہ اللہ تعالیٰ نے بنائی ہے اور اس میں لڑائی کرنا مجھ سے قبل کسی کے لیے حلال نہ ہوا۔ میرے لیے بھی اس میں لڑائی دن کی ایک گھڑی تک حلال ہوئی ہے۔ جو شخص اللہ اور آخری دن پر ایمان رکھتا ہے وہ مکہ میں خون ریزی نہ کرے اور حرم کا کوئی درخت نہ کاٹا جائے اور اس کا شکار بھی نہ بھگایا جائے اور یہاں کی گری ہوئی چیز بھی نہ اٹھائی جائے۔ ہاں البتہ اس شخص کو اجازت ہے جو اس کی شناخت کرا کے مالک تک پہنچانا چاہتا ہو اور گھاس کے علاوہ کوئی اس کی گھاس بھی نہ کاٹی جائے۔
[بخاری، کتاب العلم۔ مسلم، کتاب الحج، ص: ۴۳۹]

البتہ کچھ جانور مارنا حرم میں بھی جائز ہیں جیسا کہ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ پانچ نقصان دہ جانوروں کا قتل حرم میں بھی جائز ہے: ۱۔چوہا ۲۔بچھو ۳۔چیل ۴۔کوا ۵۔کاٹنے والا کتا۔
[بخاری: ۳۳۱۴۔ مسلم: ۱۱۹۸]

اللہ تعالیٰ نے مکہ کی عظمت بلند کرنے کے لیے اس شہر کی قسم بھی اٹھائی ہے۔ مثلاً سورۃ التین میں فرمایا:

﴿ وَالتِّیْنِ وَالزَّیْتُوْنِ o وَطُوْرِ سِیْنِیْنَ o وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِیْنِ o ﴾ [التین: ۱-۳]
''انجیر اور زیتون کی قسم اور طور سینا پہاڑ کی قسم اور مجھے امن والے شہر مکہ مکرمہ کی قسم۔''

دوسرے مقام پر فرمایا:
﴿ لَا اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ o وَاَنْتَ حِلٌّ بِّهٰذَا الْبَلَدِ o ﴾
''میں اس شہر مکہ کی قسم کھاتا ہوں۔ کیوں کہ آپ ﷺ اس شہر میں موجود ہیں۔''[البلد: ۱-۲]

عبداللہ بن عدی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو مقام حزورہ پر کھڑے ہوئے فرماتے سنا: اللہ کی قسم! اے مکہ تو اللہ کی زمین میں سے بہتر ہے۔ وَلَوْلَا اِنِّیْ اُخْرِجْتُ مِنْكِ مَا خَرَجْتُ. [ترمذی، أبواب المناقب، باب فضل مکة: ۳۹۲۵]
''اور اگر مجھے تجھ سے نکالا نہ جاتا تو میں تجھے کبھی نہ چھوڑتا۔''

ابراہیم علیہ السلام نے مکہ مکرمہ کے متعلق دعا کی تھی جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں سورۂ ابراہیم میں بیان کیا ہے:
﴿ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّ اجْنُبْنِیْ وَبَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ o رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّهٗ مِنِّیْ وَمَنْ عَصَانِیْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ o رَبَّنَآ اِنِّیْ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِیْ اِلَیْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ یَشْكُرُوْنَ o ﴾
''اور جب ابراہیم (علیہ السلام) نے دعا کی تھی: اے میرے رب! اس شہر (مکہ) کو پر امن بنا دے اور مجھے بھی اور میری اولاد کو

بھی بچائے رکھنا کہ ہم بتوں کی پوجا کریں۔ میرے رب! ان بتوں نے تو بہت سے لوگوں کو گمراہ کردیا۔ لہٰذا جس نے میری پیروی کی وہ یقیناً میرا ہے اور جس نے میری نافرمانی کی سو تو معاف کرنے والا، رحم کرنے والا ہے۔ اے ہمارے رب! میں نے اپنی کچھ اولاد تیرے قابل احترام گھر کے پاس ایسی وادی میں بسائی ہے جہاں کوئی کھیتی نہیں۔ اے ہمارے رب! تا کہ وہ نماز قائم کریں۔ لہٰذا تو بعض لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کردے اور انہیں کھانے کو پھل مہیا فرما تا کہ وہ شکر ادا کریں۔'' [ابراهیم: ۳۵-۳۷]

ابراہیم علیہ السلام کی اس دعا کا نتیجہ ہے کہ ہر مسلمان کے دل میں اس شہر کی محبت ہے اور ہر مسلمان بار بار اس کی زیارت کا خواہش مند ہے۔ سورہ قصص میں ابراہیم علیہ السلام کی دعا نتیجہ دیکھیں:

﴿ اَوَ لَمۡ نُمَكِّنۡ لَّهُمۡ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجۡبٰۤى اِلَيۡهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَىۡءٍ رِّزۡقًا مِّنۡ لَّدُنَّا وَ لٰكِنَّ اَكۡثَرَهُمۡ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ٥ ﴾

''کیا ہم نے ان کو امن والے حرم میں ٹھکانا نہیں دیا، ہماری طرف سے ہر قسم کے پھل ہر طرف سے مکہ مکرمہ کی طرف کھنچے چلے آتے ہیں لیکن پھر بھی اکثر لوگ (مکہ مکرمہ کی عظمت کو) نہیں جانتے۔'' [القصص: ۵۷]

مصر میں بڑا بڑا کیلا ہوتا ہے لیکن مکہ کی طرف کھنچا آتا ہے۔ شام میں انجیر اور زیتون ہوتے ہیں وہ بھی مکہ کی طرف کھنچے آتے ہیں۔ پاکستان میں اعلیٰ قسم کے آم ہوتے ہیں، افغانستان میں کئی قسم کے پھل ہوتے ہیں۔ الغرض پوری دنیا کے پھل مکہ کی منڈی میں موجود ہوں گے۔ کیوں کہ فرمانِ الٰہی ﴿ يُجۡبٰۤى اِلَيۡهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَىۡءٍ رِّزۡقًا ﴾ ہر قسم کے پھل مکہ کی طرف کھنچے آتے ہیں یہ مکہ کی برکات ہیں۔

﴿ لَلَّذِىۡ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلۡعَالَمِيۡنَ ﴾

مکہ کا اتنا احترام ہے۔ جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

لَا يَحِلُّ لِاَحَدِكُمْ اَنْ يَّحْمِلَ بِمَكَّةَ السِّلَاحَ .

[مسلم: ۱/ ۴۳۹]

''تم میں کسی کو جائز نہیں کہ وہ مکہ شہر میں ہتھیار لے کر جائے۔''

سورۂ آل عمران میں اللہ تعالیٰ نے خانہ کعبہ کے پانچ فضائل بیان کیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ اِنَّ اَوَّلَ بَيۡتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِىۡ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّ هُدًى لِّلۡعٰلَمِيۡنَ ٥ فِيۡهِ اٰيٰتٌ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبۡرٰهِيۡمَ وَ مَنۡ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا وَ لِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الۡبَيۡتِ مَنِ اسۡتَطَاعَ اِلَيۡهِ سَبِيۡلًا وَ مَنۡ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ عَنِ الۡعٰلَمِيۡنَ ٥ ﴾

''بلاشبہ سب سے پہلا گھر جو لوگوں کے لیے تعمیر کیا گیا وہی ہے جو مکہ میں واقع ہے۔ یہ گھر بابرکت ہے اور تمام جہان والوں کے لیے مرکز ہدایت ہے۔ اس میں کئی کھلی نشانیاں ہیں، مقام ابراہیم ہے جو شخص اس گھر میں داخل ہوا وہ مامون ومحفوظ ہو گیا۔ اور لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا یہ حق ہے کہ جو شخص اس گھر تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو وہ اس کا حج کرے اور جو شخص اس حکم کا انکار کرے وہ (خوب سمجھ لے کہ) اللہ تعالیٰ تمام دنیا والوں سے بے نیاز ہے۔'' [آلِ عمران: ۹۶، ۹۷]

ان آیات میں پانچ فضائل خانہ کعبہ کے مندرجہ ذیل ہیں:

① ...... خانہ کعبہ کو اللہ تعالیٰ کا پہلا گھر ہونے کا شرف حاصل ہے۔

② ...... یہ گھر بابرکت ہے۔

③ ...... یہ گھر تمام جہان والوں کے لیے مرکز ہدایت ہے۔

④ ...... چوتھی فضیلت یہ ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی کئی کھلی نشانیاں ہیں (مثلاً: زم زم وغیرہ) ان میں سے ایک نشانی مقام ابراہیم ہے اور یہ وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر جناب ابراہیم علیہ السلام نے خانہ کعبہ کی دیواریں بلند کی تھیں۔

⑤ ...... جو شخص اس گھر میں داخل ہو جائے وہ امن والا ہو جاتا ہے۔

جناب ابوذر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ زمین پر سب سے پہلی کون سی مسجد بنائی گئی؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مسجد حرام''۔ انہوں نے کہا: پھر کون سی؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مسجد اقصیٰ''۔ انہوں نے کہا: ان کے درمیان کتنی مدت تھی؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''چالیس سال۔'' [بخاری: ۳۴۲۵/ ۳۳۶۶]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''میری امت اس وقت تک بھلائی میں رہے گی جب تک اس مکہ معظمہ کی کما حقہ عزت واحترام کرے گی اور

جب وہ اس کی تعظیم ختم کریں گے تو ہلاک ہو جائیں گے۔

[ابن ماجه، ابواب المناسك، باب فضل مكة]

رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ کا اس قدر احترام کرتے کہ جب آپ ﷺ حج کے لیے گئے تو مکہ سے باہر ذی طویٰ مقام پر رات گزاری ہے پھر صبح کی نماز پڑھی، پھر غسل کیا۔ پھر دن کو مکہ مکرمہ کے بالائی علاقہ معلٰی کے راستے داخل ہوئے۔

[بخاري، ص: ٢١٤، كتاب المناسك، حديث: ١٨٧٣]

سورۃ البقرہ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ وَ اِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَ اَمْنًا وَ اتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى وَ عَهِدْنَاۤ اِلٰۤى اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَ الْعٰكِفِيْنَ وَ الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ۝ ﴾

''اور جب ہم نے بیت اللہ کو لوگوں کے لیے عبادت گاہ اور امن کی جگہ قرار دیا (تو حکم دیا کہ) مقام ابراہیم کو جائے نماز بناؤ اور ابراہیم اور اسماعیل (علیہما السلام) کو تاکید کی کہ وہ میرے گھر کو طواف کرنے والوں، اعتکاف اور رکوع وسجود کرنے والوں کے لیے صاف ستھرا رکھیں۔'' [البقرة: ١٢٥]

﴿ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ ﴾ سے مراد یہ ہے کہ یہ گھر لوگوں کے بار بار آنے جانے کی جگہ ہے۔ چناں چہ لوگ حج عمرہ کی غرض سے متعدد مرتبہ بیت اللہ میں آتے جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کر کے ثواب حاصل کرتے ہیں۔ حرم مکہ مکرمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس قدر مقدس ومحترم ہے کہ اس میں کج روی، برائی یا شرارت کا ارادہ کرنے پر بھی اللہ تعالیٰ نے دردناک عذاب کی وعید سنائی ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِيْ جَعَلْنٰهُ لِلنَّاسِ سَوَآءَ ا۟لْعَاكِفُ فِيْهِ وَ الْبَادِ وَ مَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍۭ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ ﴾

''بلاشبہ جو لوگ کافر ہیں اور لوگوں کو اللہ کی راہ سے اور مسجد حرام سے روکتے ہیں، وہ جس میں ہم نے وہاں کے باشندوں اور باہر سے آنے والوں کے حقوق برابر رکھے ہیں اور جو کوئی از راہِ ظلم مسجد حرام میں کج روی اختیار کرنے کا ارادہ کرے گا اسے ہم دردناک عذاب چکھائیں گے۔'' [الحج: ٢٥]

ملک یمن کا گورنر (ابرہہ) جب ہاتھیوں کی فوج کے ساتھ خانہ کعبہ پر حملہ آور ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے گھر کی حفاظت فرمائی اور حملہ آور فوج کو ابابیل پرندوں کے ذریعے ہلاک کر دیا۔ مزید تفصیل کے لیے سورۃ الفیل کی تشریح مولانا عبدالرحمٰن کیلانی رحمہ اللہ کی تفسیر تیسیر القرآن کا مطالعہ کیجیے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

((لَاتُشَدُّ الرِّحَالُ اِلَّا اِلٰى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ:المسجد الحرام، وَالْمَسْجِدِ الاَقْصٰى وَمَسْجِدِی هٰذا .))

[بخاري: ١١٨٨، مسلم: ١٣٩٧]

''ثواب کی نیت سے صرف تین مساجد کی طرف سفر کیا جا سکتا ہے۔ اور وہ ہیں: ۱۔ مسجد حرام، ۲۔ مسجد اقصیٰ، ۳۔ اور میری یہ مسجد (مسجد نبوی)۔''

صحابی رسول جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((......وَصَلَاةٍ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ أَفْضَلُ مِنْ مِائَةِ أَلْفِ صَلَاةٍ فِيْمَا سِوَاهُ .))[ابن ماجه: ١٤٠٦]

''اور مسجد حرام میں ایک نماز دوسری مساجد میں ایک لاکھ نماز سے افضل ہے۔''

یہ تھے مکہ مکرمہ کے فضائل۔

اب مدینہ منورہ کے فضائل بھی پڑھیے......!

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے دعا کرتے ہوئے فرمایا:

((اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ بِالْمَدِيْنَةِ ضِعْفِي مَا بِمَكَّةِ مِنَ الْبَرَكَةِ .))[بخاري: ١٨٨٥]

''اے اللہ! مدینہ منورہ میں مکہ مکرمہ کی بہ نسبت دوگنی برکت دے۔''

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس جب پہلا پھل لایا جاتا تو آپ فرماتے:

((اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لنا فِي مدينتِنَا وَفي ثمارنا وفي مدّنا وفي صاعنا بركةً مع بَرَكَةٍ .))

''اے اللہ! ہمارے مدینہ میں برکت دے اور ہمارے پھلوں، ہمارے صاع اور مد میں برکت دے، ایک برکت کے ساتھ

دوسری برکت (دوگنی برکت) دے۔''[مسلم : ۱۳۷۳]

رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ کو حرمت والا اور قابل احترام شہر قرار دیا ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

''بے شک ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرمت والا قرار دیا ہے اور مکہ والوں کے حق میں دعا کی۔ اور میں مدینہ کو حرمت والا قرار دیتا ہوں جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرمت والا قرار دیا ہے۔ اور میں نے اہل مدینہ کے ناپ تول کے پیمانوں میں اس برکت سے دوگنا زیادہ برکت کی دعا کی ہے جس کی دعا ابراہیم علیہ السلام نے اہل مکہ کے لیے کی تھی۔''[بخاری : ۲۱۲۹]

اس حدیث میں جہاں مدینہ منورہ کی حرمت ثابت ہوتی ہے وہاں یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ مدینہ منورہ میں مکہ مکرمہ سے دوگنا زیادہ برکت ہے، رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

''بے شک ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرمت والا قرار دیا ہے اور میں مدینہ کو حرمت والا قرار دیتا ہوں اور اس کے حرم کی حدود سیاہ پتھروں والے دو میدانوں کے درمیان ہے۔ لہٰذا اس کے درخت نہ کاٹے جائیں اور نہ ہی اس میں شکار کیا جائے۔''

[مسلم : ۱۳۶۲]

مدینہ میں رہائش رکھنے کی فضیلت:

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

''مدینہ ان کے لیے بہتر ہے اگر وہ جانتے ہوں۔ جو شخص اس سے بے رغبتی کرتے ہوئے اسے چھوڑ دے اللہ تعالیٰ اس کی جگہ پر اس سے بہتر شخص لے آتا ہے۔ اور جو شخص تنگ حالی کے باوجود اس میں ٹکا رہتا ہے میں روزِ قیامت اس کے لیے شفاعت کروں گا۔ اس کے حق میں گواہی دوں گا۔''[مسلم : ۱۳۶۳]

عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَنِ اسْتَطَاعَ أَنْ يَّمُوتَ بِالْمَدِينَةِ فَلْيَفْعَل فَإِنِي أَشْفَعُ لِمَن يَّمُوتُ بِهَا .))

''جو آدمی اس بات کی استطاعت رکھتا ہو کہ اس کی موت مدینہ منورہ میں آئے تو وہ ایسا ضرور کرے۔ کیوں کہ میں مدینہ منورہ میں مرنے والے انسان کے لیے شفاعت کروں گا۔''

[احمد، ترمذی : ۳۹۱۷]

یہی وجہ ہے کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ اکثر یہ دعا کرتے تھے:

اللهم ارزقنی شهادةً فی سَبِيْلِكَ وَاجْعَلْ مَوْتِیْ فی بلد رَسُوْلِكَ .))[بخاری : ۱۸۹۰]

''اے اللہ مجھے اپنے راستے میں شہادت نصیب فرما اور مجھے اپنے رسول ﷺ کے شہر میں موت دے۔''

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ الْاِيْـمَانَ لَيَأْرِزُ اِلَی المَدِينَةِ كَمَا تَارِزَ الْحَيَّةُ اِلٰی جُحْرِهَا .))[بخاری: ۱۸۷۶]

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''مجھے ایک بستی کا حکم دیا گیا ہے جو دیگر بستیوں کو کھا جائے گی۔ لوگ اسے یثرب کہتے ہیں حالاں کہ وہ مدینہ ہے۔''

تنقی الناس کم اینقی الکیر خبث الحدید .

[بخاری : ۱۸۷۱]

وہ لوگوں کی اس طرح چھانٹی کرے گا جیسا کہ بھٹی لوہے کا زنگ چھانٹ کر الگ کر دیتی ہے۔''

نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

((مَـنْ اَرَادَ اَهْـلَ الْـمَـدِيْـنَةِ بِسُوْءٍ اَذَابَهُ اللّٰهُ كَمَا يَذُوبُ الْمِلْحُ فِي الْمَاءِ .))[بخاری: ۱۸۷۷]

''جو شخص اہل مدینہ کے بارے میں برا ارادہ کرے گا اسے اللہ تعالیٰ اس طرح پگھلا دے گا جیسے نمک پانی میں پگھلتا ہے۔''

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

''جو آدمی صبح کے وقت (مدینہ) میں دو سیاہ پتھروں والے میدانوں کے درمیان والی کھجوروں سے سات عدد کھجوریں کھائے اسے شام ہونے تک کوئی زہر نقصان نہیں پہنچا سکتا۔''

[مسلم : ۲۰۲۷]

خاص طور پر مدینہ کی عجوہ کھجور کے بارے میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ''جو شخص صبح کے وقت سات عدد عجوہ کھجوریں کھائے اسے اس دن

زہر اور جادو کی وجہ سے کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔'' [بخاری: ٥٤٤٥]

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: ''جو آدمی اس (مدینہ منورہ) میں شرارت کرے گا اس پر لعنة الله والملائكة والناس أجمعين ، لا يقبل الله منه يوم القيامة صرفا ولا عدلا

''اللہ کی فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہوگی اور قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اس سے نہ کوئی فرض قبول کرے گا اور نہ نفل۔'' [بخاری: ١٨٦٧]

ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

((لَا يَدْخُلُ الْمَدِيْنَةُ اَبْوَابِ الْمَسِيحِ الدَّجَّالِ لَهَا يَوْمَئِذٍ سبعةُ اَبْوَابَ عَلٰى كُلِّ بَابٍ مَلَكَان .))

''مسیح دجال کا رعب ودبدبہ مدینہ منورہ میں داخل نہیں ہوگا اس دن اس کے سات دروازے ہوں گے اور ہر دروازے پر دو فرشتے نگرانی کررہے ہوں گے۔'' [بخاری: ١٨٧٩]

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''مدینہ منورہ کے دروازوں پر فرشتے مقرر ہیں، اس میں طاعون کی بیماری نہیں آسکتی اور دجال داخل نہیں ہوسکے گا۔'' [بخاری: ١٨٨٠]

انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''دجال ہر شہر میں جائے گا سوائے مکہ اور مدینہ کے۔ ان دونوں شہروں کے ہر دروازے پر فرشتے صفیں بناتے ہوئے ان کی نگرانی کررہے ہوں گے، پھر مدینہ اپنے رہنے والوں کے ساتھ تین مرتبہ کانپے گا جس سے اللہ تعالیٰ ہر کافر ومنافق کو اس سے نکال دے گا۔'' [بخاری: ١٨٨١]

مدینہ منورہ میں سب سے اہم جگہ مسجد نبوی ہے اور یہ وہ مسجد ہے جس کی زمین خود رسول اللہ ﷺ نے خریدی اور اس کی بنیاد بھی خود آپ ہی نے اپنے مبارک ہاتھوں سے رکھی اور یہی وہ مسجد ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ﴾ [التوبة: ١٠٨]

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''میری اس مسجد میں ایک نماز دوسری مساجد میں ایک ہزار نماز سے بہتر ہے سوائے مسجد حرام کے۔'' [بخاری: ١١٩٠]

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَا بَيْنَ بَيْتِيْ وَمِنْبَرِيْ رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ .)) [بخاری: ١١٩٥]

''جو قطعہ زمین میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان ہے وہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔''

دور جاہلیت میں مدینہ کو یثرب کہتے تھے۔

قرآن میں مدینہ کا لفظ ہے۔

﴿ مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَ مَنْ حَوْلَهُمْ...... ﴾ [التوبة: ١٢٠]

((ان الله تعالى سمى المدينة طابَةَ .))

''بے شک اللہ تعالیٰ نے مدینہ کا نام طابہ رکھا ہے۔'' [مسلم: ١٣٨٥]

طیبہ: آپ نے فرمایا: ((اِنَّهَا طَيْبَةُ .)) [بخاری: ١٨٨٤]

نبی ﷺ اپنے شہر مدینہ سے بے پناہ محبت کرتے تھے۔ چناں چہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ ہم مدینہ میں آئے تو اس وقت وبا پھیلی ہوئی تھی جس سے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور بلال رضی اللہ عنہ بیمار ہوگئے۔ جب آپ ﷺ نے اپنے ساتھیوں کو دیکھا تو دعا کی:

((اللهم حبب إلينا المدينة كحبنا مكة او أشدَّ اللهم بارك لنا فى صاعنا وفى مدنا وصَحِّحْها لَنَا وَانْقُلْ حُمَاهَا اِلَى الجُحْفَةِ .))

''اے اللہ! ہمارے دلوں میں مدینہ کی محبت ڈال دے جیسا کہ ہم مکہ سے محبت کرتے ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ اے اللہ! ہمارے صاع اور مد میں برکت دے اور اس (مدینہ منورہ) کو ہمارے لیے صحت افزا مقام بنا اور اس کی بیماریوں کو جحفہ کی طرف منتقل کردے۔'' [بخاری: ١٨٨٩]

اللہ تعالیٰ ہمیں بار بار زیارت حرمین شریفین کی توفیق دے۔

انوکھی فصل

اندھیروں میں اجالے کھو رہے ہیں
نگر کے دیپ مدہم ہو رہے ہیں
ہوا میں اُڑ رہی ہیں سرخ چیلیں
کبوتر گھونسلوں میں سو رہے ہیں
بہر جانب تعفن بڑھ رہا ہے
انوکھی فصل دہقاں بو رہے ہیں
عجب ارماں ہے تعمیر مکاں کا
کئی صدیوں سے پتھر ڈھو رہے ہیں
سر کوہِ تمنا کون پہنچے
پرانے زخم اب تک دھو رہے ہیں
اٹا ہے شہر بارودی دھوئیں سے
سڑک پر چند بچے رو رہے ہیں
نہ پڑنے دی ''انا'' پر دُھول راسخ
سرابِ زر میں برسوں گو رہے ہیں

[راسخ عرفانی]